سلسلۂ مطبوعات مجلس
۱۶۹

# تحفۂ دکن

حیدرآباد و اورنگ آباد کے مختلف اجتماعات و مجالس (منعقدہ ۱۱ر اکتوبر تا ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۲ء) کی وہ تقریریں جن میں دینی و علمی رہنمائی، ایک داعی دین اور باخبر و صاحبِ فکر عالم کے نقطۂ نظر سے حالاتِ حاضرہ کا جائزہ اور ملتِ اسلامی ہندی کے باشعور اور ذمہ دار طبقہ کی ذمہ داریوں اور فرائض کی نشاندہی۔

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

# بار اوّل

۱۴۰۳ھ — ۱۹۸۳ء

کتابت _____ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت _____ لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس (آفسٹ)

صفحات _____ ۸۴

قیمت _____

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(ندوۃ العلماء)

www.abulhasanalinadwi.org

# فہرست


| | |
|---|---|
| پیش لفظ وتعارف ۔ از مولانا محمد رابع حسنی ندوی | ۵-۱۰ |
| عربی زبان کی تحصیل ومہارت کا سب سے طاقتور محرک اور اس کے محیر العقول نتائج | ۱۱-۲۲ |
| ہندوستان میں مسلمانوں کی ذمہ داری | ۲۳-۳۸ |
| علمائے دین کا منصب ۔ استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع | ۳۹-۴۸ |
| غیر اسلامی شعائر ورسوم کی نقل وتقلید سے احتراز کی ضرورت | ۴۹-۵۸ |
| قصہ سات جواں مردوں کا | ۵۹-۷۰ |
| سیرت وکردار کی تبدیلی کی ضرورت | ۷۱-۸۴ |


www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ و تعارف

(از۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سکریٹری مجلس تحقیقات و نشریات اسلام)

پیش نظر کتاب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے ان خطبات و خطابات کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے اپنے حیدرآباد کے دورانِ قیام (۱۱۔۱۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء) میں حیدرآباد کی مختلف تقریبات و اجتماعات میں کئے، حیدرآباد سے مولانا کے قدیم و عمیق دینی، علمی اور اخلاقی روابط ہیں، انھوں نے ۱۹۴۶ء سے جب حیدرآباد سلطنت آصفیہ کا دارالحکومت تھا، اور برطانوی ہند کی سب سے بڑی نہ صرف مسلم بلکہ ہندوستانی ریاست تھی، اکتوبر ۱۹۸۲ء کے اس سفر تک اتنے سفر کئے، جن کی تعداد مولانا کو بھی یاد نہ ہوگی، قیام حیدرآباد کے ان وقفوں میں مولانا کی درجنوں تقریریں اور خطابات ہوئے، لیکن ان کو محفوظ اور قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی، حیدرآباد کی تقریروں کا (جو مختلف وجوہ کی بنا پر خاص اہمیت کی حامل ہیں) یہ پہلا مجموعہ ہے، جو مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے، وہ نہ صرف "تحفۂ دکن" ہے، بلکہ تحفۂ فکر و فن بھی ہے، وہ محض ضیافتِ طبع کا سامان نہیں، فکر انگیز بھی ہے، اور خیال افروز بھی، تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کی ذہنی تربیت و اصلاحِ خیال کا ذریعہ بھی، دینی و علمی قیادت و تعلیمی و تربیتی کام کرنے والوں کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

مخلصانہ مشوروں اور وسیع وعمیق تجربوں کا نچوڑ بھی۔

یوں تو قدیم وعزیز روابط کی بنا پر مولانا کے سفر حیدرآباد کے لئے برابر تقاضے اور تحریکیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن اس سفر کی خاص تقریب یہ پیش آئی کہ ۱۱ر۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حیدرآباد میں بیرونی زبانوں کی تعلیم کے مرکزی ادارہ (CENTRAL INSTITUTE OF — ENGLISH AND FOREIGN LANGUAGES) کی طرف سے عربی زبان کی تعلیم اور اس کے مشکلات ومسائل کے موضوع پر ایک آل انڈیا سیمنار منعقد ہو رہا تھا، ادارہ کے صدر پروفیسر عبدالحلیم صاحب ندوی نے مولانا کو اس مجلس مذاکرہ کے افتتاح کی دعوت دی، جس کو مولانا نے موضوع کی اہمیت وافادیت اور عزیز داعی کے تعلق کی بنا پر منظور کر لیا، اور اپنے چند عزیز ورفقا کے ساتھ (جن میں مولوی سید ابوبکر حسنی ایم۔اے اسسٹنٹ پروفیسر نہرو یونیورسٹی دہلی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء، مولانا سعید الرحمٰن ندوی مدیر "البعث الاسلامی" اور راقم الحروف تھا)۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حیدرآباد پہونچے، اور اپنی قدیم قیام گاہ عبداللہ بھائی پٹنی مالک بمبئی آندھرا ٹرانسپورٹ کی کوٹھی بنجارہ ہل پر قیام فرمایا، اس مجموعہ کی پہلی تقریر وہی ہے، جو اس تقریب میں کی گئی، اور جس کو قارئین عمومیت کے ساتھ اور جامعات ومدارس میں عربی زبان کی تعلیم کا کام کرنے والے اساتذہ وفضلاء اور ماہرین فن خصوصیت کے ساتھ غور ودلچسپی سے ملاحظہ فرمائیں گے، اس سیمنار میں مقالات کے دوران مولانا کی ایک اور تقریر بھی ہوئی جس میں انھوں نے اپنی تدریسی وتعلیمی زندگی کے بڑے گراں قدر لیکن دلچسپ وسبق آموز تجربے بیان کئے، اور عربی زبان وادب میں کمال پیدا کرنے کے خواہشمندوں اور اس کو اہل زبان وماہر فن کی حیثیت سے پڑھانے والوں کو مفید مشورے دیئے، افسوس کہ وہ تقریر منضبط نہ ہو سکی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حیدرآباد کے دوستوں، اداروں و تحریکات کے سربراہوں، تعلیمی اصلاحی و سماجی کام کرنے والوں کو جب مولانا کی حیدرآباد تشریف آوری کا علم ہوا، تو انھوں نے مولانا کے اس قیام سے فائدہ اٹھانے کے لئے مختلف تقریبات و اجتماعات کا انتظام کیا، بعض حضرات نے بذریعہ تار اور بعض نے خطوط کے ذریعہ مولانا کے سفر حیدرآباد کی اطلاع پاکر پہلے سے لکھنؤ دعوت بھیج دی تھی، اور درخواست کی تھی کہ وہ ان کی دعوت قبول کرکے ان کے ادارے یا مرکز عمل میں بھی کوئی خطاب فرمائیں، مولانا کا قیام حیدرآباد میں ۵ دن رہا جس میں کسی دن تین، کسی دن چار پروگرام ہوئے لیکن بعض جگہ مختصر خطابات رہے، بعض جگہ کے خطابات ٹیپ نہیں ہوسکے لیکن ان میں جو باتیں کہی گئیں وہ اکثر ان تقریروں میں آگئی ہیں، جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہیں، مولانا کے یہ خطابات مروجہ لگے بندھے ڈھنگ سے ہٹ کر عملی و حقیقت پسندانہ تھے، جن میں دین و زندگی کے حقائق پیش کئے گئے، ان خطابات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان سے مقام و زمانہ کا تعین آسانی سے ہوجاتا ہے، اور پڑھنے والا اندازہ لگالیتا ہے کہ یہ خطابات کس ماحول کس سرزمین اور کن حالات میں کئے گئے، وہ ان عام دینی مواعظ اور خطیبانہ بیانات سے مختلف ہیں جن کو کسی زمانے اور کسی ملک و ماحول کے چوکھٹے میں فٹ کیا جاسکتا ہے، اور جن میں وقت و مقام کی جھلک اور مقرر کے تاثرات و مطالعہ کا عکس نظر نہیں آتا۔

کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ریاست حیدرآباد سے (جس کو اپنے رقبہ کی وسعت، خوشحالی و ترقی و آبادی کی بنا پر سلطنت آصفیہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا) مسلمانوں کی ایک باعزت و طویل تاریخ وابستہ ہے، سلطنت آصفیہ نے علم پروری، معارف نوازی، حمیتِ دینی اور اہلِ کمال کی سرپرستی و قدردانی کی وہ مثال پیش کی جس کی نظیر بڑی بڑی اسلامی سلطنتوں اور عرب ملکوں کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے، خصوصیت کے ساتھ "دائرۃ المعارف العثمانیہ"

www.abulhasanalinadwi.org

(جس نے بیسیوں کی تعداد میں علماء و محققین سلف کی ان نایاب و قلمی کتابوں کو چھاپ کر وقف عام کیا جن کو دیکھنے کے لئے اساتذۂ کبار کی آنکھیں ترستی تھیں) "دارالترجمہ" (جس نے اردو زبان کو غیر ملکی زبانوں کی تحقیقات و معلومات سے مالا مال کر دیا، اور جامعات میں اردو کو ذریعہ تعلیم بننے کے قابل بنا دیا) نیز جامعہ عثمانیہ (عثمانیہ یونیورسٹی جس نے اردو کو پہلی مرتبہ ذریعۂ تعلیم بنایا، اور دینیات کو اس کا مقام عطا کیا، اور ممتاز ترین اساتذہ اور نامور علماء کی تدریسی خدمات حاصل کیں) سلطنت آصفیہ کے ان روشن کارناموں میں ہے جن پر صرف حیدرآباد ہی کو نہیں مسلمانانِ ہند کو فخر ہے، ایک زمانہ میں یہ ریاست اس برِصغیر کے اہل کمال (بالخصوص ان مسلمان اہل کمال کے لئے جو برطانوی ہند میں نظر انداز کئے جا رہے تھے) کے لئے مقناطیس کا اثر رکھتی تھی، اور نواب محسن الملک میر مہدی علی، نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین، عماد الملک سید حسین بلگرامی، مولوی سید علی بلگرامی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبداللہ عمادی، عزیز مرزا، اور معلوم نہیں کتنے اہل کمال اور عالی دماغ لوگوں کو اپنے آغوش میں جگہ دی اور ان کے ذہنی و علمی و انتظامی کمالات کو منظر عام پر آنے کا موقع دیا، جب اس سلطنت نے بیرون ریاست کے لائق افراد کو ان کا صحیح مقام عطا کیا تو خود اس ریاست کے مسلمان شہریوں اور باصلاحیت لوگوں کے لئے وہ قدرتاً ملجا و ماویٰ بلکہ آغوش مادری بنی ہوئی تھی، اس وقت مسلمانوں کے لئے شریفانہ و باعزت زندگی کے دو ہی وسیلے تھے، جاگیریں، منصب اور عہدے اور ملازمتیں ۱۹۴۷ء میں جب پولیس ایکشن کے نتیجہ میں ریاست کا مرکز سے انضمام ہوا، اور ریاست کی حیثیت ختم کر دی گئی تو ایسا معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور وہ ہوا میں معلّق رہ گئے، لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور خدا کا خاص فضل و احسان ہے کہ مسلمانوں نے بہت جلد اپنے کو سنبھال لیا، اور بڑی حد تک وہ مایوسی بے بسی و بے دلی سے محفوظ رہے، جو اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ تھا، اور بہت جگہ اس کا

www.abulhasanalinadwi.org

ظہور ہوا، کوئی شبہ نہیں کہ اس میں ان دینی تحریکوں و دعوتی کوششوں کا بہت بڑا حصہ ہے جو ریاست کے انضمام کے فوراً بعد سرگرم عمل ہوگئیں اور انھوں نے مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ایک نئی دینی روح اور جذبہ پیدا کر دیا، سیاسی و تنظیمی کوششوں کو بھی اس سلسلہ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے مسلمانوں میں کسی حد تک خود اعتمادی اور مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی، اس میں حیدرآبادی مسلمانوں کی زندہ دلی اور قوت عمل و قوت ایمان کا بھی حصہ ہے، جنھوں نے اپنے آپ کو حالات میں تحلیل ہونے سے باز رکھا اور شریفانہ زندگی کے لئے جد و جہد جاری رکھی۔

ان حقیقتوں کے باوجود جن کا اعتراف ضروری ہے، پھر بھی حیدرآباد کے مسلمانوں کو اس حقیقت کی طرف بار بار متوجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ داعی و قائد کی حیثیت رکھتے ہیں، اور اسی داعیانہ حیثیت و قائدانہ صلاحیت سے وہ نہ صرف اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ پورے ملک کی خدمت کر سکتے ہیں، آزادی کے بعد ریاست میں جو سیاسی تبدیلی آئی، اس نے مسلمانوں کی اجتماعی ثقافتی حالت پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے، ہر شخص زندگی کی تمام قدروں کو نظر انداز کر کے صرف اقتصادی ضروریات پوری کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا ہے، مسلمان "خیر امت" ہونے کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ ان سے موجودہ بگڑے ہوئے حالات میں اپنے شاندار ماضی کے دہرانے کی توقع کی جائے، جب انھوں نے اپنی آمد کے موقع پر بے غرضی، انسان دوستی، خدمت خلق اور اصلاح سیرت کے کام کو بحسن و خوبی انجام دیا تھا، یہ اقدام نہ صرف ملک کو انتشار و بے نظمی سے بچائے گا، بلکہ مسلمانوں کے وقار کو بلند کرے گا، اور ملک میں ان کی ضرورت و اہمیت کو منوائے گا، یہی وہ مرکزی مضمون تھا جس کو مولانا نے علی العموم اپنے خطابات میں مؤثر الفاظ و دل نشیں انداز میں بیان فرمایا، اور ان تقریروں کو حیدرآباد کے اس پس منظر و ماحول میں پڑھنے کی ضرورت ہے۔

حیدرآباد کی تقریروں کے ٹیپ سے قلمبند ہو جانے کے بعد مولانا نے ان پر نظر ثانی کی

www.abulhasanalinadwi.org

اوران کو زیادہ مفید وجامع بنانے کے لئے کہیں کہیں مختصر اضافے بھی فرمائے، تقریروں کے ساتھ اورنگ آباد کے آزاد کالج کی دو اہم تقریروں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، ٹیپ سے قلمبند کرنے میں عزیزان مظہر ہاشمی ندوی، ابراہیم ندوی (بمبئی والے) شاہ ابود جانہ عثمانی ندوی اور خطیب عالم ندوی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، گزشتہ سال اکتوبر، نومبر ۱۹۸۱ء میں مولانا کشمیر یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد میں شرکت کے لئے سری نگر تشریف لے گئے تھے، وہاں بھی ۵-۶ روز قیام رہا تھا، اسی دوران میں مولانا نے مختلف تقریبات واجتماعات میں جو تقریریں کی تھیں، مجلس کی طرف سے ان کا مجموعہ "تحفۂ کشمیر" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے، اب ہم حیدرآباد واورنگ آباد کی تقریروں کا مجموعہ "تحفۂ دکن" کے نام سے اہل ذوق واہل فکر کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، یہ تقریریں حیدرآباد کی اس خصوصیت کے ساتھ ملک کے دوسرے حصوں بلکہ تمام اسلامی ممالک میں غور سے پڑھی جانے اور حرز جان بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد رابع حسنی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ
۹ نومبر ۱۹۸۲ء

www.abulhasanalinadwi.org

# عربی زبان کی تحصیل و مہارت کا سب سے طاقتور محرک

## اور اس کے محیر العقول نتائج

مولانا کی وہ افتتاحی تقریر جو انھوں نے سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدرآباد (CENTRAL INSTITUTE OF ENGLISH AND FOREIGN LANGUAGES) کے آل انڈیا عربک سیمنار منعقدہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں کی جس کی صدارت نواب میر اکبر علی خاں سابق گورنر اتر پردیش نے کی، ابتدا میں انسٹی ٹیوٹ کے صدر شعبۂ عربی ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی نے عربی میں حاضرین کا خیر مقدم کیا، پھر انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر رمیش موہن نے سیمنار کے اغراض و مقاصد انگریزی میں بیان کئے، ڈاکٹر اعجاز احمد صاحب ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی نے مولانا کے تعارف میں انگریزی میں مضمون پڑھا، اس کے بعد مولانا نے سیمنار کا افتتاح کرتے ہوئے تقریر فرمائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

بعد حمد و صلوٰۃ!

صدر محترم، ڈائریکٹر صاحب، فضلائے کرام!

میں سب سے پہلے اس کی اجازت چاہتا ہوں کہ مجھے اردو میں خطاب کرنے کا موقع دیا جائے اگرچہ میرے لئے بڑی عزت بلکہ لذت کی بات تھی کہ میں عربی جیسی شیریں وسیع اور بلیغ زبان میں خطاب کروں، خاص طور پر اس سیمنار کے موقع پر جس کی زبان عربی قرار دی گئی ہے لیکن حیدرآباد میں اور جامعہ عثمانیہ کے سایۂ دیوار کے نیچے اردو کے سوا کسی اور زبان میں خطاب کرتے ہوئے لحاظ آتا ہے کہ اردو کی ترقی میں اور اس کو ذریعۂ تعلیم بنانے میں حیدرآباد کو جو اوّلیت اور جامعہ عثمانیہ کو جو فخر حاصل ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ میں اسی زبان میں اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کروں[1]۔

اس مؤقر مجلس مذاکرہ (سیمنار) کا افتتاح (INAUGURATE) کرنے کے لئے میرا انتخاب کرکے آپ نے مجھے جو عزت بخشی اس اعزاز اور میرے اس کو قبول کرنے کا اگر کوئی جواز ہو سکتا ہے تو وہ وہی ہے جس کو علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں ادا کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

مرا ساز گرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا
وہ شہید ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

---

[1] مقرر کے پیش نظر اردو میں تقریر کرنے کی یہ مصلحت بھی تھی کہ حاضرین کی ایک تعداد کو (جس میں صدر محترم اور ڈائریکٹر صاحب بھی شامل تھے) تقریر کے ترجمہ کی ضرورت پیش آتی جس میں وہ تازگی اور طاقت باقی نہ رہتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

جیسا کہ ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر اعجاز نے اپنے تعارفی مقالہ میں بیان کیا ہے، میں نے عربی زبان کو اظہار خیال کا اصل ذریعہ بنایا ہے، میری زیادہ تر کتابیں جن کو موضوع کے لحاظ سے اہم سمجھتا ہوں اصلاً عربی میں لکھی گئیں پھر ان کا اردو انگریزی میں ترجمہ ہوا، اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگرچہ میں عجمی نژاد اور ہندی المولد ہوں مری نوا عربی رہی۔

حضرات! کسی ملک میں کسی دوسرے ملک کی زبان پر توجہ مرکوز کرنا اس پر اپنی ذہانت اپنی صلاحیت اور اپنے وقت کا سب سے بڑا حصہ صرف کرنا حقیقتاً ایک غیر طبعی (UNNATURAL) بات ہے جس کے لئے معقول اور طاقتور محرکات واسباب کی ضرورت ہے فطرت انسانی ہے کہ انسان کو اپنی مادری زبان سے محبت ہوتی ہے، اور اس کے فطری جوہر اسی میں کھلتے ہیں ادبیاتِ عالم اور لغات والسنہ کی تاریخ کی ناقابل انکار شہادت ہے کہ انسان کی ذہانت اور اس کے حقیقی جذبات وخیالات کا سب سے بڑا مظہر اس کی زبان ہوتی ہے، اس کی محبت ودرد اور اس کے جوش اندروں کا چشمہ اس میں اپنی طبعی رفتار اور اپنے طبعی جوش کے ساتھ فوارہ کی طرح اُبلتا ہے کسی ملک کے باشندے دوسرے ملک کی زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، اس پر اپنی بہترین ذہانتیں صرف کریں، اس میں وہ دنیا کے لئے ادب وشاعری کے لافانی نقوش چھوڑ جائیں، اس کے میرے محدود مطالعہ میں چار ہی محرکات واسباب ہوسکتے ہیں، سیاسی، معاشی، علمی، مذہبی وروحانی، دنیا نے ان چاروں محرکات کا تجربہ بھی کیا ہے، سیاسی محرک ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، جب ہندوستان برطانوی حکومت کے زیر اقتدار آیا، اور ہندوستان کا برطانیہ سے ایک سیاسی اور معاشی رشتہ قائم ہوگیا، اور ہندوستان کے حوصلہ مند نوجوانوں کے لئے جو کوئی امتیاز پیدا کرنا اور اپنی صلاحیت کا اظہار کرنا چاہتے تھے، ضروری ہوگیا کہ وہ انگریزی زبان میں کمال پیدا کریں، جہاں تک

www.abulhasanalinadwi.org

اس دَور کا تعلق ہے، یہ دونوں محرکات آکر مل گئے اور ان کا سنگم ہوا، (زبان میں شُدبُد پیدا کر لینا، یہاں ہمارے موضوع سے خارج ہے) اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ ہندوستان کے ذہین و باصلاحیت افراد عصری تعلیم گاہوں، انگریزی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخل ہوئے، اس تاریخی عمل کا تسلسل پوری ایک صدی تک جاری رہا، ہمیں دیکھنا ہے کہ اس سیاسی اور معاشی محرک کے علمی و ادبی میدان میں کیا نتائج برآمد ہوئے؟

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہاں ہندو اور مسلمانوں میں انگریزی کے ایسے اہل قلم و مقرر پیدا ہوئے جن کی تحریروں کو اہلِ زبان (انگریزوں) نے بھی دلچسپی سے پڑھا اور تقریروں کو دلچسپی سے سُنا اور اعتراف کیا کہ یہ انگریزی پر قدرت رکھتے ہیں لیکن یہ دونوں طاقتور محرک مل کر کے بھی ہمارے ہندوستان کے انگریزی دانوں کو اس سطح پر نہیں پہنچا سکے کہ اہلِ زبان انگریز ان کا لوہا مان لیں اور تسلیم کریں کہ ہم ان کی تحریروں و تقریروں سے استفادہ کر سکتے ہیں، وہ ادب و زبان میں ہمیں مشورہ دے سکتے ہیں، تنقید و شعر و شاعری کی اداؤں اور تیوروں کو پہچانتے ہیں، وہ ہماری زبان میں ہمارے ہم پایہ و ہم پلّہ بلکہ ہم سے کچھ آگے ہیں، یہ بات نہیں ہو سکی، چند حضرات کی جن کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، انھوں نے انگریزی کو تسلیم کیا، اور مانا کہ وہ صحیح انگریزی لکھتے اور اچھی انگریزی بولتے ہیں، مسلمانوں میں دیکھئے (ہمارے صدر محترم اس نام سے خوش ہوں گے) تو انگریزوں نے مولانا محمد علی جوہر کی انگریزی کو تسلیم کیا، ان کے کامریڈ (COMRADE) کو انگریز آفیسر اور باذوق انگریز منگواتے تھے، اس کی زبان و طنزیات کا چٹخارا لیتے تھے، اس کے علاوہ علامہ عبداللہ یوسف علی، احمد شاہ پطرس بخاری (جو آل انڈیا ریڈیو کے بانی اور اس کا سانچہ بنانے والے تھے) کی انگریزی کو تسلیم کیا، خواجہ کمال الدین آپ کے ہاں کے ڈاکٹر سید عبداللطیف، علامہ اقبال

www.abulhasanalinadwi.org

انگریزی میں بے تکلف لکھنے اور اظہار خیال کرتے تھے، حیدرآباد میں سر امین جنگ نے بھی انگریزی میں لکھا ہے[1]، لیکن یہ بات کہ انگریز ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے اور ان کی تحریریں پڑھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آئے، اور وہ اس کا لطف لیں، ان کا ادبی ذوق اور حاسہ اس سے غذا پائے ایسا نہیں ہو سکا، ان میں چند ہی مستثنیات ہیں، جن میں "اسپرٹ آف اسلام" (SPIRIT OF ISLAM) کے مصنف رائٹ آنریبل سید امیر علی کا پایہ سب سے بلند رہا، کسی ملک کی نوجوان نسل کو دوسرے ملک کی زبان کی مہارت اس بام عروج تک نہیں پہنچا سکی، جس بام عروج پر ان کو اپنی ذہانت، جانکاہی و جگر سوزی کے لحاظ سے پہنچنا چاہیئے تھا، ان میں بہت سے لوگ تو ایسے تھے، جنھوں نے اپنی زبان کو بھلانے کی کوشش کی اور انھوں نے انگریزی زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا لیکن اس کے بعد انگریز ادیبوں اور اہل قلم نے دل پر پتھر اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر اتنا کہا کہ ہاں صاحب کچھ ہندوستانی اچھی اور صحیح انگریزی لکھ لیتے ہیں۔

تیسرا محرک علمی (ACADEMIC) اور مطالعہ و تحقیق (RESEARCH WORK) کا کام اور ذوق ہے، اس کا بہترین نمونہ مستشرقین (ORIENTALISTS) ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیسا میں نے اپنی تازہ کتاب "اسلامیات" میں تفصیل سے لکھا ہے، بیسیوں مستشرقین نے خالص علمی و تحقیقی جذبہ سے کام کیا اور اپنے موضوع پر محنت و تحقیق کا ثبوت دیا، اور کبھی کبھی ایسی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے کہ مشرق اور عالم اسلام کے علماء بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

---

[1] اس مختصر تقریر میں ان سب حضرات کا نام لینا دشوار تھا جو انگریزی پر قدرت رکھتے تھے، اور اچھے اہل قلم یا کامیاب جرنلسٹ تھے، اس سلسلہ میں "انڈپنڈنٹ" (INDEPENDENT) کے ایڈیٹر مسٹر سید حسین "بامبے کرانیکل" (BOMBAY CHRONICLE) کے ایڈیٹر سید عبداللہ بریلوی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اوران میں سے بعض نے مہینوں نہیں بلکہ تیس تیس، چالیس چالیس برس ایک موضوع کے مطالعہ پر صرف کر دیئے، اس کے بعد انھوں نے اپنے مطالعہ وتحقیق کا نتیجہ دنیا کے سامنے رکھا، لیکن ان کا مطالعہ بھی (چند کو مستثنیٰ کر کے) نہ بہت وسیع ہوتا ہے، نہ بہت عمیق، وہ جس موضوع کو اپنا مرکزِ توجہ بناتے ہیں، ان کا مطالعہ بھی اسی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے، عربی علوم اور اسلامیات پر ان کی نظر ہمہ گیر اور عمیق و دقیق نہیں ہوتی، نہ عربی زبان پر (جو اسلامی کتب خانے کی کلید ہے) ان کو کامل و مستقل عبور ہوتا ہے، نہ ان کی تحریروں میں وہ تاثیر ہوتی ہے، جو علماء کا خاصہ ہے، میں نے برطانیہ کے بعض چوٹی کے مستشرقین سے مل کر اندازہ کیا کہ ان کو نہ عربی پر قدرت ہے، نہ اس کے مختلف مکاتب فکر اور صاحبِ طرز اسلوب، قدیم ادیبوں اور شاعروں سے پوری واقفیت ہے۔

اب میں عربی زبان کی تحصیل و مہارت کے آخری محرک کو لیتا ہوں جو حقیقت میں اولین محرک ہے، وہ ہے دینی و روحانی، اخلاقی اور اصولی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زبان کا مطالعہ اس لئے کیا جائے کہ اس کے بغیر وہ دین سمجھ میں نہیں آسکتا، جس نے اس زبان کو اپنی دعوت و تفہیم کا ذریعہ بنایا اور اس کے بغیر اس کے مضمرات، صحیح مقاصد اور صحیح روح سمجھ میں نہیں آسکتی، اس مقصد سے اس زبان و ادب میں ڈوب جانا پڑتا ہے، اس کے ذوق اور اس کی روح کو اپنے اوپر طاری کر لینا ناگزیر ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایران کی مثال دیتا ہوں، ایران کو اپنی زبان پر ناز تھا، اور بجا طور پر ناز تھا، وہ ہم سب کے لئے ادب و تصوف،

---

لہ مستشرقین کی کتابوں کے قابلِ تنقید پہلو اور ان کے نقطۂ نظر و نتائجِ تحقیق پر ناقدانہ نظر مقرر کے اس عربی مقالہ میں تفصیل سے ڈالی جا چکی ہے، جو اس نے دار المصنفین اعظم گڑھ کے "اسلام و مستشرقین" کے سیمنار کے لئے تیار کیا تھا، اور جس کا اردو ترجمہ "اسلامیات اور مغربی مستشرقین اور مسلمان مصنفین" کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

درد و محبت، نازک خیالی اور مضمون آفرینی کا خزانہ ہے، ہم آج بھی سعدی، حافظ، مولانا روم، جامی و قدسی، عرفی و نظیری کے کلام پر سر دھنتے ہیں، جب ایران نے عربی زبان میں درک پیدا کرنے اور اس میں کمال حاصل کرنے کی طرف (دینی و اسلامی محرک سے) توجہ کی تو اس نے سیبویہ کو پیدا کیا، جس کی کتاب "الکتاب" اب بھی سند کا درجہ رکھتی ہے، اور نحو کی بنیادی کتابوں میں ہے، یا نحو کی بنیاد ہے "دلائل الاعجاز" اور "اسرار البلاغۃ" کے مصنف عبد القاہر جرجانی کو پیدا کیا، جس کی عربی ادب و شاعری کی نبض شناسی و مزاج دانی کے سامنے عربوں نے بھی سر تسلیم خم کر دیا، زمخشری، سکاکی، ابو علی فارسی کس کس کا نام لیا جائے، یہ سب عربی ادب اور زبان کے قواعد کے ایوان کے ستون ہیں، عربی علم لغت کو دیکھئے (جو بڑا نازک فن ہے) تو اس میں علامہ مجد الدین فیروز آبادی کی شخصیت نظر آتی ہے، جن کی کتاب "قاموس" آج تک ہمارے علمی و درسی حلقوں میں سب سے زیادہ مقبول و مستعمل ہے، ایران کے لئے عربی زبان میں کمال پیدا کرنے کا صرف مذہبی اخلاقی اور روحانی محرک تھا، عہد قدیم کے ذہین نوجوانوں اور باصلاحیت مسلمانوں نے اس نکتہ کو پالیا تھا کہ ہم قرآن مجید کے اسرار، حدیث کے رموز اور اصول فقہ کی نازک بحثوں سے اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جب تک کہ عربی زبان پر ہم کو استادانہ و محرمانہ عبور نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایران نے اس پایہ کے ائمہ نحو، اساطین عربیت، مجتہدین فن بلاغت، محققین لغت اور مفسر پیدا کئے جن کی نظیر خود عربوں میں ملنی مشکل ہے، حتی کہ ابن خلدون جیسے نقاد کو لکھنا پڑا کہ

"ان اکثر حملۃ العلم من العجم"

اب ہندوستان کی طرف آیئے، یہاں دراصل اسی محرک نے کام کیا، ہندوستان کے بلاد عربیہ سے سیاسی اور معاشی تعلقات کی عمر آپ میں سے بہت سے لوگوں کی عمر سے کم ہے، ہندوستان میں اتنا عظیم الشان تحقیقی و مجتہدانہ کام علوم دینیہ و عربیہ پر انجام پایا، جس کی

www.abulhasanalinadwi.org

مثال خود بلادِ عربیہ میں نہیں ملتی۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے قاموس کا نام لیا ہے، میں جن زبانوں سے واقف ہوں ان میں میری معلومات میں کسی لغت کی اتنی مفصل شرح نہیں ملتی، جیسے قاموس کی شرح "تاج العروس" ہے جس کے مصنف ہمارے جوار (اودھ) کے ایک فرزند فخرِ ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ہیں، جو زبیدی کی نسبت سے مشہور ہیں، یہاں تک کہ بہت سے اچھے پڑھے لکھے لوگ ان کو یمنی سمجھتے ہیں، اس کتاب کو مصنف ہی کی زندگی میں (مجازاً، نہیں حقیقتاً) سونے میں تولا گیا، اس وقت کے عظیم ملوک وسلاطین نے ان کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اور ان سے سَنَدلی، مورخین نے لکھا ہے کہ قاہرہ میں ان کا دربار اس طرح لگتا تھا جس طرح بادشاہوں کا دربار لگتا ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں سید مرتضیٰ کے لئے کیا محرک تھا؟ کیا سیاسی و معاشی محرک تھا؟ سیاسی محرک کا حال یہ ہے کہ تمام بلادِ عربیہ اس وقت ترکی کے ماتحت تھے، اور ترکی کے سیاسی تعلقات کبھی بھی ہندوستان سے باقاعدہ قائم نہیں ہوئے، سفارت خانوں کا دور ابھی نہیں آیا تھا، نہ ملازمتوں کا، سید مرتضیٰ کے لئے عربی زبان میں اس حد تک کمال پیدا کرنے کے لئے کیا کشش، کیا (CHARM) تھا کہ وہ عربی زبان کی طرف ایسی توجہ کریں، اور قاموس کی ایسی شرح لکھیں کہ اگر علامہ مجدالدین فیروز آبادی زندہ ہوتے تو ان کا ہاتھ چومتے، دوسری طرف وہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی زندہ جاوید کتاب "احیاء علوم الدین" کی شرح "اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین" کے نام سے تصنیف فرماتے ہیں، جو ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہے۔

علمی اصطلاحات کا فن سب سے نازک فن ہے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی جہاز پر گھڑی لگی ہوتی ہے جس سے سمت متعین ہوتی ہے، اس میں اگر بال برابر بھی فرق آجائے تو

www.abulhasanalinadwi.org

جہاز کہیں سے کہیں پہونچ جائے، اسی طرح اگر آپ نے کسی اصطلاح کو غلط سمجھا تو نہ آپ کتاب سمجھ سکیں گے نہ کسی علمی مسئلہ کی صحیح ترجمانی کر سکیں گے، عربی زبان کی علمی تاریخ میں اس موضوع پر سب سے بہتر دو کتابیں لکھی گئیں، ایک "دستور العلماء" دوسری "کشاف اصطلاحات الفنون" "دستور العلماء" مولانا عبد النبی احمد نگری کی تصنیف ہے اور "کشاف اصطلاحات الفنون" کے مصنف بارہویں صدی ہجری کے عالم شیخ محمد اعلیٰ تھانوی ہیں، ان دونوں کتابوں کا جواب پورے عالم عربی میں نہیں ہے، اس موضوع پر صرف ایک چھوٹی سی قدیم کتاب خوارزمی کی مفاتیح العلوم ملتی ہے، میں نے یہ بات علماء عرب کے سامنے بھی کہی اور انھوں نے تسلیم کیا، غریب الحدیث (لغات حدیث) کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، اس موضوع پر سب سے بڑی اور مستند کتاب ابن اثیر کی "نہایہ" ہے، لیکن اس موضوع پر سب سے جامع اور قابلِ اعتماد کتاب جو دوسری کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے، علامہ محمد طاہر پٹنی کی کتاب "مجمع بحار الانوار" ہے، ۱۹۵۱ء میں قاہرہ میں اہل علم کے ایک جلسہ میں وہاں کے ایک بڑے ازہری عالم ڈاکٹر احمد شرباصی نے میرے تعارف میں کہا کہ یہ "اس ملک کے باشندے ہیں جس کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہاں "مجمع بحار الانوار" لکھی گئی، جس سے علماء ازہر بھی مستغنی نہیں ہو سکتے"۔

دوسری طرف علوم دینیہ میں وہ کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سے بعض کی نظیر پورا کتب خانہ پیش نہیں کر سکتا، اس سلسلہ میں "حجۃ اللہ البالغہ" کا نام لے لینا کافی ہے، وہ حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ہے، اور اسرار دین و مقاصد شریعت کے موضوع پر ہے، اس کے علاوہ یہاں اصول فقہ پر "مسلم الثبوت"[1] جیسی کتاب لکھی گئی، جو عرصہ تک علماء ازہر کی بھی توجہ کا مرکز رہی، اور جس کی کثیر التعداد شرحیں ہیں۔

---

[1] یہ کتاب مصنف مسلم ملا محب اللہ بہاری کی تصنیف ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرات! میری اس گذارش کا مدعا یہ ہے کہ کسی زبان کی تحصیل اور اس میں حصولِ کمال کے محرکات میں سب سے طاقتور محرک دینی اور روحانی ہے، یہ محرک وہ جرِ ثقیل ہے، جو بڑی سے بڑی وزنی چیز کو چشم زدن میں سطح زمین سے اٹھا کر بڑے سے بڑے ایوان بلند پر پہنچا دیتا ہے، اور اس کے کچھ نمونے اور مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں، جب صحیح جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے، اس لئے کہ جب بات ٹھہری دینی اور اندرونی جذبہ کی تو یہ جذبہ جتنا زیادہ قوی ہوگا اسی قدر زبان وقلم میں طاقت وتاثیر پیدا ہوگی، اگر عربی زبان کا کوئی طالب علم قرآن مجید کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھنا چاہے گا، اور اس پر محنت کرے گا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بڑے سے بڑے عرب سے بڑھ جائے گا، ذہانت واندرونی صلاحیتوں کو حرکت میں لانے والی سب سے بڑی طاقت عشق اور جذبہ ہے، یہی چیز تھی جس نے اقبال کی زبان سے فارسی کا وہ کلام نکلوایا جس کی جدید ایران مثال نہیں پیش کر سکتا، لاہور میں بیٹھ کر (جب کہ وہ پنجابی بولتے تھے) ان سے اردو زبان میں وہ اشعار نکلوائے جس کو پڑھ کر خون کی گردش میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے، اور لکھنؤ ودہلی والوں کو بھی ماننا پڑا کہ کلام اقبال میں جو سوزِ دروں اور بجلی کا اثر ہے، اس میں جو بلند مضامین ہیں، وہ ہمارے ان بڑے بڑے شعراء کے کلام میں نہیں جو اس سوزِ دروں سے محروم ہیں، آپ ایک نعت ہی کو دیکھ لیجئے، فارسی، اردو کے نعتیہ کلام میں جو تاثیر جو زندگی اور جو جوش واثر ہے وہ عربی کے نعتیہ کلام میں (باستثناء چند) نہیں ملتا، ۱۹۵۶ء میں دمشق میں ایک مجلس میں جس میں یونیورسٹی کے شعبۂ زبان وادب کے بعض بڑے اساتذہ اور شہر کے ادباء موجود تھے ایک صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ بتائیے کہ عربی کے نعتیہ کلام میں وہ اثر کیوں نہیں ہے جو فارسی، اردو کے نعتیہ کلام میں ہے (جیسا کہ آپ کے ترجموں اور آپ کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے) میں نے کہا اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

دو اسباب ہیں، ایک تو احساسِ فراق اور بُعد، جن لوگوں نے یہ کلام کہا جامی ہوں یا قدسی، اقبال ہوں یا ظفر علی خاں، ماہر القادری ہوں یا امجد حیدر آبادی، ان کے اندر اشتیاق اور بُعد و محرومی کا احساس تھا، دوسرے سوزِ دروں اور تڑپ جس کی وجہ سے ان کے اندر سے مضامین اُبلے، اور کلام میں تاثیر پیدا ہوئی، یہی حال اس دَور کے ان دعوتی مضامین کا ہے، جو بعض ہندوستانی داعیوں کے قلم سے عربی میں نکلے اور اسی جذبہ اور پس منظر نے عربی انشاء و ادب کا ایک نیا اسلوب پیدا کر دیا جس میں وہ طاقت و دل آویزی ہے، جس سے بڑے بڑے عرب ادباء اہلِ قلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور بارہا ان کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔

حضرات! میں عربی زبان کی سیاسی و معاشی اہمیت و افادیت کا انکار نہیں کرتا، لیکن آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کے ساتھ اس بنیادی حقیقت کا اضافہ کریں کہ اس کا اصل فائدہ دین کو صحیح طور پر سمجھنا، قرآن و حدیث کے مضمرات کو قرآن و حدیث کی ہی زبان میں ان کے لانے والے کے منشاء کے مطابق معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ "سوزِ دروں" پیدا کرنا ہے، پھر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عربی زبان آپ کے لئے اپنے خزانے اُگل دے گی، میں آپ سے عرض کروں گا کہ عربی زبان خالص سیاسی و معاشی زبان نہیں ہے، انسانوں، قوموں اور ملکوں کی طرح زبانوں کا بھی مزاج و منفرد شخصیت ہوتی ہے، عربی زبان کا مزاج نبوی، ایمانی اور دعوتی ہے، عرب شاعر نے کہا تھا ؎

ومکلّف الأشیاء ضد طباعها

متطلّبٌ فی الماء جذوة نار

(جو کسی چیز سے اس کی طبیعت کے خلاف کام لینا چاہتا ہے وہ ایسا ہے جیسے پانی میں سے کوئی آگ کا شعلہ لینا چاہے)

www.abulhasanalinadwi.org

آپ کے اندر عربی زبان کی بنیادوں کے ساتھ ہمدردی اور دلچسپی کا جذبہ ہونا چاہئے، عربی زبان جن بنیادوں پر پیدا ہوئی، اور پروان چڑھی اور اس کا یہ حق ہوا کہ ہم ہندوستان میں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کریں، اور اس میں کمال پیدا کریں، ہم کو ان بنیادوں کو اپنے اندر مستحکم کرنا چاہئے، اس وقت آپ دیکھیں گے کہ آپ عربی زبان میں اس سے کم وقت میں کمال پیدا کرلیں گے، جتنے وقت میں آپ دوسرے محرکات کے ماتحت پیدا کرسکتے ہیں، یہ سیمنار بڑے وقت پر اور بڑے اہم وضروری مقاصد کے ماتحت ہو رہا ہے، ..... نصاب وطریقۂ تعلیم پر غور وفکر ہونا چاہئے، اور اس کو زیادہ مفید ومؤثر بنانے کی تدبیروں پر غور وخوض ہونا چاہئے، وہ مضامین آپ کے سامنے آئیں گے جو نصاب اور طریقۂ تعلیم سے بحث کرتے ہیں، ہم عربی مدارس کے اساتذہ اور ذمہ داروں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، میں اپنے عزیز دوست ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی سے درخواست کروں گا کہ وہ اس ادارہ کی طرف سے ان مضامین کے مجموعے شائع کریں، وہ اس سیمنار کی ایک اچھی یادگار اور ایک مفید کام ہوگا۔

آخر میں، میں پھر اس اعزاز اور اظہار خیال کے اس زرّیں موقعہ کے فراہم کرنے پر ادارہ کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

# ہندوستان میں مسلمانوں کی ذمہ داری

یہ تقریر ۱۳ر اکتوبر کی شام کو مولانا ابوالکلام آزاد اورنٹیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ حیدرآباد میں ایک بڑے اجتماع میں کی گئی، یہ جلسہ نواب میر اکبر علی خاں صدر انسٹی ٹیوٹ کی دعوت پر ہوا تھا، موصوف نے ہی مقرر کا تعارف اور افتتاحی تقریر فرمائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

حمد وصلاۃ کے بعد!

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ (سورۃ الاعراف۔۸۵) اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے، خدا کے پیغمبر شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا (اور حقیقت میں انھوں نے سارے پیغمبروں اور پیغام ربّانی کی ترجمانی کی) دیکھو میری قوم کے لوگو! اللہ کی زمین میں اصلاح کے بعد خرابی اور فساد نہ پھیلاؤ، ان کے یہ الفاظ کتنے سادہ لیکن کتنے معنی خیز کتنے عمیق، اور درد میں ڈوبے ہوئے ہیں؟ عام طور پر کہا جاتا ہے، بھائیو! فساد نہ مچاؤ، انتشار انگیزی نہ کرو، بدنظمی نہ پھیلاؤ، لیکن حضرت شعیبؑ نے فرمایا: "وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" جب خدا کی زمین، اس کے کسی ملک میں معاشرہ اور تمدن، اور حیات انسانی کی چول بٹھانے، اس کو اپنی جگہ پر لانے، انسانوں کا رشتہ اپنے مالک سے استوار کرنے، بنی نوع انسان کے درمیان تعلقات کو درست کرنے، دوسروں کے حقوق اور اپنے فرائض کو تسلیم اور قبول کرنے، انسانی جان و مال کے احترام اور خوش معاملگی کا درس دیا گیا ہو، اور اللہ کے بندوں نے بڑی تعداد میں، اور بعض اوقات پورے پورے ملک اور پوری پوری قوم نے کسی خطۂ ارضی میں اس کو قبول کر لیا ہو، تو خدارا اس کے بعد ان کوششوں پر پانی نہ پھیرو، اس نخل اصلاح کو خون پسینہ سے سینچا گیا، اس کی خاطر اپنے خاندانوں، اور عزت و ناموس کی بازی لگا دی گئی، دنیا کے تمام مفادات سے آنکھیں بند کر لی گئیں، ایک ہی حقیقت کو یاد کیا گیا کہ زمین پر آدمیوں کو آدمیوں کی طرح اور

www.abulhasanalinadwi.org

خدا کے بندوں کی طرح رہنا سکھایا جائے جس طرح کہ تسبیح کے دانوں کو تسبیح میں یا ہار کے موتیوں کو ہار میں گوندھ دیا جاتا ہے، اسی طرح نسل انسانی کے افراد کو اخوت انسانی کے دھاگے میں گوندھ دیا گیا ہے "کلکم من آدم و آدم من تراب[1]" (اے انسانو تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے) خدا کے لئے اس دھاگہ کو نہ توڑو، ورنہ یہ دانے بکھر جائیں گے، اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہ دانے جب اُخوّتِ انسانی کے اس رشتہ کو چھوڑتے ہیں تو صرف بکھرتے ہی نہیں، بلکہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، ان میں باہمی ایک ایسی سلبی کشش پیدا ہو جاتی ہے جیسی مقناطیس کی ایجابی کشش جس طرح موجیں موجوں سے ٹکراتی ہیں، نہنگ نہنگوں سے دست گریباں ہوتے ہیں، اسی طرح یہ دانے بکھرنے کے بعد صرف یہ نہیں کہ مٹی میں مل جائیں، وہ جمع ہو کر، اور جس کو جتنا موقعہ ملتا ہے، اپنے قریب کے دانوں کو جمع کر کے دور کے دانوں سے آکر ٹکراتا ہے، میں نے ایک جگہ کہا تھا کہ وحشتیں وحشتوں ہی سے نہیں ٹکراتیں، وحدتیں بھی وحدتوں سے ٹکراتی ہیں، وہ وحدت جس کی اساس غلط ہے، وہ وحدت جو اخوت انسانی اور عبودیت ربانی پر قائم نہیں جو حقوق و فرائض کی صحیح تقسیم و توازن، خوف خدا، اور انسانی جان و مال کے احترام پر قائم نہیں، وہ وحدت خطرناک ہے، جو دانہ اپنی لڑی سے جدا ہوا، وہ اپنے حدود میں محدود نہیں رہتا، وہ ٹکرائیگا ضرور، پیغمبروں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ تسبیح کے یہ دانے تسبیح کی لڑی میں پروئے رہیں، ٹوٹنے نہ پائیں، شیطان نے کوشش کی کہ یہ دانے بکھریں، حضرت شعیبؑ کے اس مقولہ میں بڑا درد، اور دل کی تڑپ نظر آتی ہے، خدا کے پیغمبروں نے صدیوں کے عمل میں انسان کو انسانیت کا سبق پڑھایا، اور انسان

---

[1] میدان عرفہ میں خطبۂ نبویؐ کا ایک فقرہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

بن کر رہنا سکھایا، انھوں نے کہا کہ تمہاری یہ تعریف نہیں کہ مچھلیوں کی طرح پانی میں پیرو، چڑیوں کی طرح ہوا میں اڑو، شیر کی طرح ڈکارو، اور بھیڑیئے کی طرح پھاڑو، تمہاری تعریف یہ ہے کہ خدا کے بندوں کی طرح خدا کی زمین پر چلو، زمین خدا کی، تم خدا کے، پھر سرکشی کہاں سے آئی؟ انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ "ولا تفسدوا فی الارض بعد صلاحها" (زمین کے درست ہو جانے کے بعد اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو) "اصلاح" لفظ متعدی ہے، اصلاح کے لئے ایک مصلح چاہیئے، دعوت چاہیئے، جد و جہد چاہیئے، توفیقِ الٰہی چاہیئے، اس لفظ میں یہ سب چیزیں آگئیں، نبوت کی تاریخ آگئی، جب خدا کے پیغمبروں، اور انسانیت کے چارہ سازوں نے اپنی مبارک کوششوں سے اس خطۂ ارضی کو جنت کا نمونہ بنا دیا، یہاں انسان، انسان پر جان دینے کے لئے تیار ہو گئے، رہزن پاسبان، اور درندے چوپان بن گئے، ایثار و قربانی کے ایسے نمونے دنیا کے سامنے آئے کہ اگر تاریخ کی معتبر شہادت، اور شہرت و تواتر نہ ہو تو ان کا یقین کرنا ممکن نہیں تھا۔[1]

خدا کی نگاہ میں بڑا جرم، اور خدا کے پیغمبروں اور مصلحین کی نگاہ میں بڑا ظلم ہے کہ کسی معاشرہ کو جس کے ہر فرد کی قسمت دوسرے فرد سے وابستہ ہے، اپنے ذاتی مفاد اور کوتاہ نظری کی بناء پر زیر و زبر کر دیا جائے، اگر کوئی خرابی کسی معاشرہ (سوسائٹی) یا ملک میں پیدا ہو، اور آدمی سمجھے کہ ہماری بلا سے، ہمارا کیا بگڑتا ہے، فلاں محلہ میں،

---

[1] مثلاً عہد خلافت راشدہ میں ایک جنگ کے موقعہ پر ایک زخمی مسلمان کا جو جاں کنی میں مبتلا تھا، اور اس کا بھائی اس کو پانی کی چھاگل پیش کر رہا تھا، دوسرے زخمی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا کہ پہلے اس کو پانی پلاؤ، اور ہاتھ منہ دھو، اس کا تیسرے کی طرف اشارہ کرنا، اور اس سلسلہ کا اسی طرح جاری رہنا، یہاں تک کہ باری باری سب نے جان دے دی، اور پانی اسی طرح رکھا رہا۔ (کتب تاریخ و مغازی)

www.abulhasanalinadwi.org

فلاں برادری میں، شہر کے فلاں حصہ میں، ملک کی ایک ریاست میں اگر آدمی آدمی کو مار رہا ہے، لوگوں کے گھر جلائے جارہے ہیں، یکا دکا مسافر کو چھرا گھونپا جارہا ہے، تو کیا حرج ہے، ہمارے محدود حلقہ میں تو کوئی بات نہیں، اس صورت حال اور اس طرز فکر کا جو نتیجہ ہوگا، اس کی مثال مجھے اصلاحی ادب ہی میں نہیں، ادبیات انسانی میں اس سے بہتر نہیں ملی، جو ایک صحیح حدیث نبوی میں دی گئی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک کشتی پر مسافر سوار ہیں، اس میں دو طبقے ہیں، ایک بالائی، ایک زیریں، (یہ بھی اعجاز نبوی ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس وقت کشتی رانی کے فن نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ اس میں فرسٹ کلاس، اور ڈک کلاس ہوں، اور اگر یہ ترقی ہو چکی تھی، تو کم سے کم جزیرۃ العرب جس میں دریا نہ ہونے کے برابر ہیں، اور حجاز کا خطہ اس سے اور بھی ناآشنا تھا) کچھ مسافر اوپر کے طبقہ میں ہیں، جن کو ہم (بالانشین) کہہ سکتے ہیں، کچھ حصۂ زیریں کے لوگ ہیں، جو عام طور پر غریب غرباء ہوتے ہیں، میٹھے پانی کا انتظام اوپر کیا گیا ہے، اوپر کلاس والوں کی رعایت بھی ذرا زیادہ کی جاتی ہے، نیچے والے مجبور ہیں کہ پانی لینے کے لئے اوپر جائیں، وہاں سے پانی لے کر آتے ہیں، پانی کی فطرت ہے کہ اچھلتا ہے، پھر کشتی خود ایک متحرک چیز ہے، ڈانواں ڈول ہوتی ہے، لوگوں کی ہزار احتیاطوں کے باوجود پانی چھلکتا ہے، پانی پہچانتا نہیں کہ یہ فلاں امیر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، یہ فلاں نواب صاحب کے کپڑے پھیلے ہوئے ہیں، ایک مرتبہ ہوا، دو مرتبہ ہوا، چار مرتبہ ہوا، آخر میں اوپر کلاس کے ان مسافروں سے برداشت نہیں ہو سکا، اور انھوں نے کہا صاحب! یہ تماشہ ہم نہیں دیکھ سکتے، پانی یہ لے جائیں اور پریشان ہم ہوں؟ ہم پانی نہیں لے جانے دیں گے، اپنا انتظام کرو، نیچے والوں نے کہا کہ پانی کے بغیر تو گذارا نہیں، اب اگر ہم اوپر سے نہیں لا سکتے، تو ہم نیچے ہی سوراخ کر لیتے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

بیٹھے ہی بیٹھے اپنے برتنوں میں پانی بھر لیا کریں گے، اب ہمیں منّت کش غیر نہیں ہونا پڑے گا، اور کسی کی ناز برداری نہیں کرنی پڑے گی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ان بالانشینوں کی عقل پر پتھر نہیں پڑے ہیں، اور ان کی شامت نہیں آئی ہے تو وہ خوشامد کریں گے، ہاتھ پکڑیں گے اور کہیں گے کہ نہیں بھائی، تم اوپر ہی سے پانی لے جاؤ، لیکن خدا کے لئے یہ غضب نہ کرو کہ نیچے ہی نیچے سوراخ کر لو، اس لئے کہ کشتی ڈوبے گی تو پھر سب کو لے کر ڈوبے گی، نہ اپر کلاس والے بچیں گے نہ لوئر کلاس والے۔

ہم کو آپ کو سب کو بظاہر اسی ملک میں زندگی گذارنی ہے، لیکن یہ تمدن انسانی یا معاشرۂ انسانی کی کشتی ہے، اور ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، اگر ہم نے خود غرضی سے کام لیا، اور اپنے اپنے گھر میں میٹھے پانی کا انتظام سوچ لیا، تو پھر خیریت نہیں، وہ میٹھا پانی کیا ہے؟ یہ کہ ہماری غرض پوری ہو جائے، ہمارا کام نکل جائے، پھر ہمیں دوسرے سے مطلب نہیں، یہ کشتی میں سوراخ کرنے ہی کے مرادف ہے، آج ہمارے ملک کی کشتی میں کتنے سوراخ کئے جا رہے ہیں، ہر شخص اپنی محدود غرض کو دیکھتا ہے، اس نے دوسروں سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، اور اس حقیقت کو بھلا دیا ہے کہ اس کا اجتماعیت پر کیا اثر پڑتا ہے، آج ہندوستان ہی کا نہیں، ساری دنیا کا روگ یہی ہے، بیروت میں جو کچھ ہوا وہ اسی کوتاہ نظری کا نتیجہ تھا، اسرائیل نے سمجھا کہ موقعہ اچھا ہے، اس وقت ہمیں اپنا کام نکال لینا چاہیئے، اس سے بحث نہیں کہ اپنے مطلب براری کی اس قربان گاہ پر کتنے آدمی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، انسانیت کی کیا گت بنتی ہے، وہاں کے مارونی فرقے کی تنظیم (فلانجسٹ) نے یہ سمجھا کہ یہ وقت ہے، جب ایک بڑی طاقت کا سایہ ہم کو حاصل ہے، ہم اس کی چھتری کے نیچے ہیں، اس لئے ہمیں اپنا کام کر لینا چاہیئے، یہ تو ایک بڑی مہیب

www.abulhasanalinadwi.org

نامناسب اور بھدی شکل میں ہوا، اور ساری دنیا نے اس پر نفرین کی، لیکن اس سے کم درجہ کی شکل میں ہمارے ملک میں بھی یہی ہو رہا ہے کہ مختلف طبقے، مختلف برادریاں ہندوستانی سماج کے مختلف حصے اپنے اغراض کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں، برادری والا برادری کے آدمی کو ترجیح دے گا، چاہے کتنا ہی نااہل ہو، اقرباء پروری، اور برادر نوازی کا ہمارے معاشرہ میں دور دورہ ہے، خدا کے پیغمبروں نے دنیا کو امن کا سبق دیا تھا، دنیا کی قوموں اور قوموں کے افراد کو وحدت انسانی کی لڑی میں پرو دیا تھا، اگر آپ وسیع النظری اور ایمان داری کے ساتھ سراغ لگائیں گے، اور کڑی سے کڑی ملائیں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں اب بھی انسانیت کا جو بچا کھچا سرمایہ ہے، محبت و اخوت کی دلوں میں جو چاشنی ہے، امن و امان، اور خوف خدا کا انسانی زندگی پر جو پرتو ہے، انسانی جان و مال اور عزت و ناموس کی نگاہوں میں جو اہمیت اور قیمت رہ گئی ہے، وہ خدا کے پیغمبروں، پھر ان کے پیغام اور کام کو زندہ رکھنے والے اہل دل کی محنتوں کا نتیجہ اور کوشش کا ثمرہ ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ | اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر احسان کو یاد کرو |
| إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ | جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، |
| قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا | اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل ملا دیئے، تم |
| وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ | اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے، |
| فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا | اور تم آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے |
| (آل عمران۔۱۰۳) | کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے |
| | صاف صاف اور بال بال بچا لیا۔ |

www.abulhasanalinadwi.org

چھٹی صدی مسیحی میں انسانیت ہلاکت اور اجتماعی خودکشی کے عمیق و مہیب خندق کے کنارے پہونچ چکی تھی، اور چھلانگ لگانا ہی چاہتی تھی کہ خدا کا ایک بندہ (نبی امی روحی فداہ) صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوتا ہے، اور جیسا آپ نے خود ایک موقعہ پر فرمایا کہ "میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی، اس پر پروانے دیوانہ وار ٹوٹنے لگے، اسی طرح تم آگ پر گرنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر اس سے ہٹاتا ہوں" آپ انسانی تاریخ دیکھیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ انسان صرف ایک خونخوار جانور بن کر رہ گیا ہے، خدا کا کوئی پیغمبر آیا اور اس نے حیوان قاتل کو انسان کامل، رہزن کو پاسبان، اور درندے کو گلے کا چوپان بنا دیا، ابجد ناشناسوں اور انسانیت سے ناآشناؤں کو معلم اخلاق واضع قانون، اور ہادیٔ عالم بنا دیا ؎

دُرفشانی نے تری قطرے کو دریا کر دیا　　دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے　　کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی محبت کا جو بچا کھچا سرمایہ پایا جاتا ہے، وہ انھیں صوفیائے کرام کی دین ہے جو محبت کا پیغام لے کر کے آئے تھے، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (جن کے خلیفہ کے خلیفہ حضرت خواجہ گیسو دراز آپ کے اسی علاقہ میں محو خواب ہیں) فرماتے ہیں کہ دیکھو اگر کسی نے ایک کانٹا رکھا، اور تم نے بھی کانٹا رکھ دیا تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے، اور اگر اس نے کانٹا رکھا، اور تم نے پھول رکھا تو پھول رکھے جائیں گے، کانٹے کا علاج کانٹا نہیں ہے، کانٹے کا علاج پھول ہے، ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگوں کا اصول تو یہ ہے کہ ٹیڑھے کے ساتھ ٹیڑھا، اور سیدھے کے ساتھ سیدھا، "با نغزاں نغزی، با کوزاں کوزی" اور ہمارا اصول یہ ہے کہ سیدھے کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

سیدھا، اور ٹیڑھے کے ساتھ بھی سیدھا" با نغزاں نغزی' اور با کوزاں ہم نغزی"
خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، اور ان سے بھی پہلے اس ملک میں آنے والوں
میں حضرت سید ابوالحسن علی ہجویری سے لے کر اس سلسلہ کے صحیح جانشینوں تک کے
حالات جہاں تک دیکھیں گے، ہر جگہ محبت کا درس ملے گا، شکستہ دلوں' اور انسانیت
سے مایوس جاں بلب انسانوں کی دل جوئی، دل نوازی، اور چارہ سازی' انھوں نے
یہ سبق پیغمبروں ہی کی تعلیمات اور سیرت سے سیکھا تھا، پھر ہر ملک میں جا کر سکھایا، اسی
محبت سے انھوں نے دل فتح کئے اور۔ ع

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ

وہ اپنی محبت سے گھائل نہیں کہ یہ ان کے ساتھ ناانصافی ہے، گھائل تو کریں
تیر کمان والے، وہ قائل اور دل سے مائل کر لیتے تھے' اور پھر لوگ ان کو اپنے والدین
خاندانی سرپرستوں، اور خونی رشتوں پر ترجیح دینے لگتے تھے، شیخ احمد کھٹوؒ کا (جن کے
نام پر احمد آباد شہر کا نام رکھا گیا) واقعہ دیکھئے کہ وہ ایام شیر خوارگی میں دہلی میں
ایک طوفان اور تیز آندھی میں اپنی دائی سے چھوٹ کر کہیں سے کہیں پہونچ گئے
تھے، پھر ان کو ایک قافلہ نے جو وہاں سے گذر رہا تھا، سلسلہ مغربیہ کے ایک شیخ کے
پاس کھٹو گجرات پہونچا دیا تھا، اسی لئے مؤرخ ان کو "گنج باد آورد" کہتے ہیں، برسوں
کے بعد جب وہ سن بلوغ کو پہونچ گئے تو ان کے گھر کے لوگ کسی طرح پتہ لگا کر کھٹو پہونچے،
اور ان کے شیخ سے ملے، شیخ نے کہا نوجوان کو اختیار ہے' وہ چاہے یہاں رہے، چاہے
اپنے گھر جائے، شیخ احمد نے گھر اور والدین پر، اور دہلی کی پُر آسائش زندگی پر یہاں کے
فقر و فاقہ کو ترجیح دی، اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کھڑے ہوں، اور ملک کو تباہ ہونے سے بچائیں، یہ تنہا حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے، اس کے ساتھ بیسیوں الجھنیں اور سیاسی مصلحتیں لگی ہوئی ہیں، قرآن کی روشنی میں یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ دین کے سچے داعیوں، انسانیت کے بہی خواہوں، اور ملک و معاشرہ کے مخلص معماروں کی محنتوں پر پانی نہ پھیرنے دیجئے "وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا" کا پیغام دیتے رہئے، خدا کے یہاں آپ سے سوال ہوگا کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ ملک کیسے تباہ ہوا، تمہیں ایسا کردار اور نمونہ پیش کرنا چاہئے تھا کہ لوگ سمجھتے کہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا، عہدہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا، عزت ہی سب کچھ نہیں ہوتی، خدا کا خوف اصل چیز ہے، پھر محبت اور ہمدردی خلائق میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ یہ نمونہ دکھا کر محبوبیت کا مقام حاصل کرلیں گے، اور آپ کو اس ملک کی قیادت کا مقام تفویض ہوگا، ہم نے افراد کے محبوب بننے کے واقعات تو کتابوں میں بہت پڑھے ہیں، اور ہمیں یاد ہیں، لیکن ملتوں کے محبوب بننے کے واقعات سے ہم غافل ہیں، خدا نے اس ملت کو (جب اس نے انسانیت کو بچانے اور چمکانے کے لئے اپنے ذاتی مفادات کی قربانی پیش کی اور حق و صداقت کا دامن مضبوط پکڑا) محبوب جہاں بنا دیا تھا، چین سے عرب کو پیغام گیا، وہ چین جو عرب سے اتنی دور ہے کہ اپنی دوری کے لئے عربی زبان میں ضرب المثل ہے "اطلبوا العلم ولو بالصین" سلطنت عباسیہ کے پاس انھوں نے مہم بھیجی کہ یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر ہم پورے طور پر اطمینان کرسکیں، اور وہ مقدمات کا بے لاگ فیصلہ کرسکے، خدا کے لئے آپ وہاں سے کچھ آدمی بھیجئے جو فصل خصومات کا کام کریں، یہ ملت کے محبوب ہونے کا مقام ہے، یہ اس وقت کا حال ہے جب یہ ملت "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" پر ایمان رکھتی تھی، اس کا عقیدہ تھا کہ ہم اپنی کاربراری، خاندانی آسودگی،

www.abulhasanalinadwi.org

اور قومی خوش حالی اور برتری کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں، انسانیت کی فلاح اور خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت ابو عُبیدہؓ کے کمان میں جو اسلامی فوج حمص (شام) میں مقیم تھی، اور رومیوں کے مقابلہ میں صف آرا تھی، دربارِ خلافت سے حکم آیا کہ تمام اسلامی افواج یرموک کے محاذ پر جمع ہو جائیں، وہاں ایک فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ افواج اسلامی یہاں سے منتقل ہوں، اور جو جزیہ (حفاظتی وانتظامی ٹیکس) شہر کی غیر مسلم آبادی سے وصول کیا گیا ہے، وہ واپس کر دیا جائے، خازن کو حکم دیا کہ ایک پیسہ رہنے نہ پائے، جب یہودیوں اور عیسائیوں کو ان سے وصول کی ہوئی رقم واپس کی گئی، تو انھوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟ امیر افواج، اور امین الامت نے جواب دیا کہ یہ رقم اس بنیاد پر وصول کی گئی تھی کہ ہم آپ کی حفاظت کریں گے، اب اس وقت ہم حفاظت کی پوزیشن میں نہیں ہیں، ہم اس مقام کو چھوڑ کر دوسرے محاذ پر جا رہے ہیں، معلوم نہیں پھر کب آنا نصیب ہو، اس لئے ہمیں اس کے رکھنے کا حق نہیں ہے، مورخین نے لکھا ہے، کہ لوگ روتے تھے، اور کہتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے، وہ ان کو اپنے قدیم آقاؤں پر ترجیح دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ ہمیں سے پیسہ لیتے تھے، اور ہمارا ہی خون پیتے تھے، اور تمہارا معاملہ ہمارے ساتھ یہ ہے، اس ملت کی محبوبیت کے آپ کتنے واقعات سنیں گے، آپ دیکھیں گے کہ جدھر سے مسلمان گذر جاتے تھے، وہاں کے لوگ آنکھیں بچھاتے تھے کہ یہ فرشتۂ رحمت آئے، ان کی وجہ سے وبائیں دور ہوں گی، مال اور فصل میں برکت ہوگی، ہمارے یہاں کے اختلافات ختم ہوں گے، خدا کی رحمت و برکت کا نزول ہوگا، اسی حقانیت، اخلاق و محبت، اور عدل و انصاف نے بربر جیسی ناقابل تسخیر قوم کو (جس کو رومن امپائر

www.abulhasanalinadwi.org

نے بھی ناقابل تسخیر سمجھ کر چھوڑ رکھا تھا) اسلام کا حلقہ بگوش اور عربی تہذیب و ثقافت، اور علوم و آداب کا ایسا عاشق و حامل بنا دیا کہ فرانسیسی حکومت کی (جس نے ان کو جداگانہ قومیت اور علیحدہ تہذیب کا سبق پڑھانے اور اپنی قدیم تہذیب و روایات و زبان کو زندہ کرنے کی زبردست ترغیب دی، اور مسلمان عربوں سے متنفر بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا[1]) سب تدبیریں اور کوششیں ناکام ہوئیں، اور بربر آج بھی خدا کے فضل سے اسلامی عربی تہذیب میں ڈھلے ہوئے ہیں، اور اس کی محبت و غیرت میں عربوں سے کم نہیں کچھ زیادہ ہی ہیں۔

حضرات! ابھی تک ہم نے ملت کے محبوب بننے کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا، اصل میں محبوب بنانے والی صفات ہیں، وہ صفات اگر فرد میں پیدا ہوں تو فرد محبوب بن جائے، ملت میں پیدا ہوں، تو ملت محبوب بن جائے، آج ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے اس کے سوا عزت و قیادت کا کوئی راستہ نہیں ہے

حکومت کا تو کیا شکوہ کہ وہ ایک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارہ

خلوص، قربانی، اور ایثار و خدمت کا جذبہ محبوبیت دلانے والی صفات ہیں، حکومتیں اس کے جلو میں چلتی ہیں، تمدن اور تہذیبیں اس کا رکاب تھامتی اور اس پر فخر کرتی ہیں، اگر یہ نہیں ہے تو نہ حکومت کا بھروسہ ہے، نہ عہدوں کا، نہ سیاسی دانش مندی اور جوڑ توڑ کا، آج ضرورت ہے کہ ہمارے مسلمان نوجوان یہ ثابت کریں کہ ہم میں زیادہ صلاحیت کار (EFFICIENCY) ہم میں زیادہ احساس ذمہ داری، ہم میں زیادہ فرض شناسی،

---

[1] مغرب اقصیٰ کی تاریخ میں اس کو الظہیر البربری کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ایمان داری ہے، ہم کو اگر لاکھوں روپے کی رشوت دی جائے اور ہم کو روپے کی سخت ضرورت ہو تو ہم اس کو ہاتھ لگانا بھی حرام سمجھیں گے، بلکہ رشوت پیش کرنے والے سے کہیں گے کہ تم نے میری اور میری ملت کی توہین کی تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ کوئی مسلمان رشوت لے سکتا ہے؟ تمہارا چہرہ یہ بتائے کہ جیسے تمہیں کسی نے گالی دے دی، مسلمان زندگی کے جس محاذ پر بھی ہو، وہ کردار کا ایک نمونہ ثابت ہو، وہ اپنے عمل سے ثابت کردے کہ اس کو کوئی فرد یا پارٹی، بلکہ حکومت بھی خرید نہیں سکتی، ملت کا مستقل مسئلہ کردار ہی سے حل ہوگا مسلمانوں کے ایک باعزت ملت کی حیثیت سے رہنے کا یہی واحد راستہ ہے، قرآن کہتا ہے:-

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ | خدا اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے، نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔ |
| (سورۂ رعد-۱۱) | |

ہمارا اقتدار ہماری غلطیوں سے گیا، ہم نے اپنا استحقاق اور اعتماد اپنی غلطیوں سے کھویا، ہم اس کو پھر اپنی ہی صلاحیتوں سے حاصل کر سکتے ہیں، اس میں دنیا کی کوئی قوم مدد نہیں کر سکتی، لبنان و فلسطین کے عربوں نے دھوکا کھایا، کسی نے روس پر اعتماد کیا کسی نے امریکہ پر لیکن خدا نے صاف کہہ دیا ہے کہ شیطان وقت پر دغا دیتا ہے "وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا"، بیروت اور آس پاس کے عرب منہ دیکھتے رہ گئے، اور کوئی کام نہ آیا، ان کو خدا پر، اپنی دینی تعلیمات پر، اپنی صلاحیت و نافعیت پر، اپنی دعوت اور اپنے حسن عمل پر بھروسہ کرنا چاہیئے تھا، اور اسی سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا، یہ کہنا کہ ہماری قسمت فلاں سے وابستہ ہے، صحیح نہیں، مسلمانوں کا خدا کے سوا کوئی ناصر اور حامی نہیں، اس کے بعد

www.abulhasanalinadwi.org

اگر کوئی چیز مدد کر سکتی ہے تو اپنی صلاحیت، اپنا امتیاز، اپنی افادیت آپ یہ ثابت کریں کہ آپ ملک کی ضرورت ہیں، ملک آپ کے بغیر صحیح طریقہ پر چل نہیں سکتا، اور اس کی کشتی سیاسی، جماعتی، اور انفرادی اغراض کے طوفانوں سے جو دولت پرستی، طاقت پرستی، تنگ نظری، اور خدا ناشناسی نے پیدا کر دیئے ہیں، بچ کر کنارے نہیں لگ سکتی، اور اپنی منزل پر نہیں پہونچ سکتی۔

آپ حضرات میں اب بھی ان لوگوں کی بڑی تعداد ہوگی جنھوں نے سلطنت آصفیہ کا پرانا دور دیکھا ہے، ان کو رہ رہ کر اس دور کی یاد ستاتی ہوگی، میں کہتا ہوں، اب اس کو یاد کر کے افسوس کرنے کی ضرورت نہیں، اب ایک نئی زندگی کا آغاز اور ایک نئے دور کا افتتاح کیجئے ؎

سبق پھر پڑھ شجاعت کا صداقت کا عدالت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

دنیا خیر امت کی امامت کے بغیر صحیح طریقہ پر چل ہی نہیں سکتی، پوری تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے، اور حیوانی، ہوس رانی، اور طاقت و دولت کے زور پر حکم رانی کو چلنا نہیں کہتے، کیا امریکہ چل رہا ہے، کیا روس چل رہا ہے؟ جس کے دور اقتدار میں، اور جس کی حمایت و حفاظت میں اتنا بڑا اندھیر ہو، جیسا ابھی بیروت میں ہوا، خدا اس سے خوش ہو سکتا ہے؟ اور اس کو زندگی اور اقتدار کی مہلت زیادہ دن دے سکتا ہے؟ ؏

خدائے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

ان دونوں کو اپنے اعمال کا خدا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا، انھوں نے انسانی قوموں کو بالکل جنگل کا شکار سمجھ لیا ہے، ان کے لئے بھی ایک یوم الحساب ہوگا، اور وہ کچھ دور نہیں، جو چیز اپنی افادیت کھو چکی ہے، اس کے لئے بقا نہیں ہے، یورپ تو بقائے اصلح (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے نظریہ تک پہونچا ہے، لیکن قرآن بقائے انفع کو

www.abulhasanalinadwi.org

کہتا ہے، صرف صالحیت ہی کافی نہیں، نافعیت بھی ضروری ہے :-

| | |
|---|---|
| فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ | سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے، |
| وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ | اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہونچاتا |
| فِي الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ | ہے، وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اس طرح |
| الْاَمْثَالَ ۝ (الرعد - ۱۷) | خدا مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ) تم سمجھو۔ |

تاریخ بتاتی ہے کہ کسی قوم کا اخلاقی زوال پہلے شروع ہوتا ہے، سیاسی زوال بعد میں آتا ہے، یونان، رومۃ الکبریٰ، سلطنت ساسانیہ، قدیم ہندوستان، اور اسلامی سلطنتوں کی تاریخ اسی کی شہادت دیتی ہیں، ہمارے ملک کے ذمہ داروں، سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں، دانش گاہوں کے سربراہوں، ملک کے ارباب حل وعقد اور دانشوروں کو پوری حقیقت پسندی، وسیع النظری سے ملک کے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے، اور اس مہیب اخلاقی زوال سے لرزہ براندام ہو جانا چاہیئے، جس نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور جس سے یہ بات روز روشن کی طرح نمایاں ہو گئی ہے کہ اس ملک میں صرف پیسہ، عہدہ، ذات، برادری، اور سیاسی مقاصد کی تکمیل ہی حقیقت ہے، باقی صرف فلسفے، اور مذہبی لوگوں کی سادہ لوحی، اور واعظوں کی لفاظی ہے، پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں راس کماری سے لے کر سری نگر تک، یہ آواز بلند کرنے والا کوئی نہیں، یہ کہنے والا کہ اخلاق درست کرو، انسانیت کا سبق پڑھو، ملک کو بچاؤ، کوئی نہیں، یہ کہنے والے ہزار ہیں کہ ہماری پارٹی میں آؤ، فلاں کی قیادت تسلیم کرو، اس کا شکوہ نہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے، سب کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ غلط صحیح ہونا ہے ہمارے جھنڈے کے نیچے، اور ہمارے زیر اقتدار ہو، دل کا یہ درد، دیوار کا

www.abulhasanalinadwi.org

یہ نوشتہ، افق پر چمکنے والے اقبال وزوال کے ستارے میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں، اب آپ کا خاص طور پر نوجوانوں کا کام ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں، خود بچیں اور ملک کو بچائیں، خود فائدہ اٹھائیں اور ملت کو فائدہ پہونچائیں ؎

لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

وما علینا الا البلاغ۔

www.abulhasanalinadwi.org

# علمائے دین کا منصب

## استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع

یہ تقریر مجلس علمی (حیدرآباد) کی اس نشست میں کی گئی جو ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو جمیل الدین صاحب ایڈوکیٹ کے دولت خانہ پر شب میں ہوئی، اور جس میں بڑی تعداد میں حیدرآباد کے علمائے کرام، فضلائے مدارس اور دینی اداروں اور تنظیموں کے سربراہ تشریف رکھتے تھے، مولانا قاری محمد تقی الدین صاحب کی قراءت، اور مولانا رضوان قاسمی صاحب کی خیر مقدمی تقریر کے بعد مولانا نے حمد و صلاۃ کے بعد فرمایا۔

www.abulhasanalinadwi.org

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ۔

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو، اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔

(المائدہ۔ ۸)

حضرات! علمائے کرام کی اس موقر مجلس میں کچھ عرض کرنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، پرانا حکیمانہ مقولہ ہے: "لکل مقام مقال" میں کوشش کروں گا کہ اس اہم اور باوقار مجلس اور موقعہ ومحل کے مطابق اپنے معروضات وخیالات پیش کروں۔

لوگوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات، اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں، اس میں شیخ سعدیؒ خاص طور پر بڑے ممتاز ہیں، اسی طریقہ سے مولانا رومؒ مثالوں کے بادشاہ ہیں، دونوں روزمرہ کے واقعات سے بڑی حکیمانہ باتیں اور بڑے عمیق نتائج نکالتے ہیں، میں اپنا بھی اسی قسم کا ایک تاثر اور عبرت کا سبق پیش کرتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کرکے آرہا ہوں، دہلی سے چلا اور حیدرآباد پہونچا، خدا جانے گاڑی نے کیا کیا رخ بدلے، کن کن علاقوں سے گذری، لیکن قبلہ نما نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا، اس نے نہ گاڑی کے پھرنے کی پرواہ کی، نہ سمت کے تبدیل ہونے کی، مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سی جماداتی چیز، جو انسان کی صنعت ہے، وہ اتنی امین، ایسی ثابت قدم، ایسی خوددار، اور ایسی پابند اصول ہے، کہ اس نے نہ یہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے، نہ یہ کہ انسان (جو اشرف المخلوقات

www.abulhasanalinadwi.org

ہے) برابر اپنا رخ بدلتا رہا ہے، ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا، اور ہم نے اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی، اس سے مجھے غیرت بھی آئی، اور عبرت بھی ہوئی کہ قبلہ نما تو کسی کی پروا نہ کرے، اور ہمیشہ سمت قبلہ بتائے، اس نے اپنا مقصد وجود تبدیل نہیں کیا، اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق آنے دیا، اس سے مجھے خیال ہوا کہ علمائے دین کو حقیقت میں "قبلہ نما" ہونا چاہیئے، ان کے اندر قبلہ نما کی سی استقامت ہونی چاہیئے، کسی طرف کی ہوا چلے اور کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ۔ ع

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور سمجھانے والے کتنا ہی سمجھائیں۔ ع

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز

لیکن ان کا عقیدہ اقبال کی (جو خود اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور مفکر و فلسفی اور پھر شاعر تھے) کی اس تعلیم پر ہوے

حدیث کم نظراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

حضرات! علماء کی شان یہی ہونی چاہیئے، امت مسلمہ امتوں میں، اور جماعت علماء حاملین علم میں الگ شان رکھتے ہیں، امت مسلمہ کو ایک قبلہ دیا گیا ہے، وہ جہاں کہیں ہو اسی قبلہ کی طرف اپنا رخ کرے جس امت کو ایک معیّن قبلہ دیا گیا ہے، اس کو یہ اشارہ

www.abulhasanalinadwi.org

دیا گیا ہے کہ تمہارے دلوں کا قبلہ تمہارا قبلۂ حاجات، تمہاری فکر اور سعی و جہد کا محور ایک ہی ہونا چاہئے، نمازوں میں خانۂ کعبہ اور اعمال و مساعی و مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی (جو معبود و مقصود حقیقی ہے) رضا، آپ حضرات خدا کے فضل سے نہ صرف اہل علم ہیں، بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی قیادت کا مقام عطا فرمایا ہے، خاص طور سے یہ موقر مجلس علمی جہاں اس وقت ہم جمع ہیں، میں اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر دو اہم حقیقتوں کے بارے میں اجمالی طور پر کچھ عرض کروں گا۔

ایک تو عقائد اور حدود شرعیہ کا مسئلہ ہے، اس میں جماعت علماء کو بالکل قطب نما کی طرح ہونا چاہئے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس کو سامنے رکھے گا تو وہ اس کی رعایت نہیں کرے گا، وہ صحیح سمت بتائے گا، جہاں تک عقائد اور حدود شرعیہ کا تعلق ہے، دین میں کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں، حکمت اور چیز ہے، مداہنت اور چیز، حکمت اور مداہنت میں بڑا فرق ہے، ہاں آدمی سچی اور صاف بات حکمت کے ساتھ کہہ سکتا ہے، اس کا اسلوب حکیمانہ ہو "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" لیکن مداہنت نہ ہو، قرآن شریف میں آتا ہے: "وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ"[1] اللہ کے رسول کو صاف حکم ہے "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" یہ "اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" کا تکملہ "صَدَعْ بِالْاَمْرِ" کا محل متعین کر دیتا ہے، جہاں پر توحید اور شرک کی سرحدیں آتی ہوں، وہاں "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" پر عمل کا حکم ہے، نرمی اور وسعت کسی اور چیز میں ہو تو ہو، لیکن توحید و سنت کے بارے میں، منصوصات شرعیہ اور قطعیات دینیہ کے بارے میں "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کا حکم ہے، اگر "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ"

---

[1] وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں۔ (القلم - ۹)

www.abulhasanalinadwi.org

مطلق آتا تو اس میں کچھ گنجائش تھی، لیکن "وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" نے بالکل تفسیر کردی کہ اس کا موقعہ ومحل کیا ہے، علمائے حقانی کا فرض ہے کہ توحید کے بارے میں بالکل بے لوچ اور صاف بات کہیں، لیکن حکمت کے ساتھ کہیں، بقول غالب ایسا نہ ہو۔ ع

کہتے ہیں وہ بھلے کی ولیکن بُری طرح

بھلی بات بھلے طریقہ پر کہی جائے، کوئی فتنہ شروع ہو تو علماء شروع میں اچھی سے اچھی، نرم سے نرم زبان استعمال کریں، تدریج وحکمت سے کام لیں، لیکن اس طرح کہ تاویل اور غلط فہمی کی گنجائش نہ ہو، اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ آج تک یہ دین قائم ہے، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہے، جس کو ہلاکت کا شوق ہے، وہ شوق سے ہلاکت میں پڑے، لیکن وہ شریعت، اور شریعت کے حاملین کو الزام نہیں دے سکتا، تاریخ کا اگر عمیق ووسیع نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس امت کی تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا کہ یہ امت عمومی طور پر کسی ضلالت کا شکار ہوگئی ہو، مقامی طور پر تو ضلالتیں رہی ہیں لیکن پوری امت مسلمہ کسی سازش، یا کسی عالمگیر ضلالت میں گرفتار نہیں ہوئی، اور خود حدیث میں آیا ہے "لا تجتمع أمتي على ضلالة" اس کے برعکس یہودیت بالکل شروع میں تحریف کا شکار ہوگئی، اور عیسائیت بالکل عہد طفلی اور آغاز کار میں ایک بالکل نئی پٹری پر پڑ گئی جس پر وہ صدیوں سے چلتی چلی آرہی ہے اسی لئے قرآن مجید نصاریٰ کو "ضَالِّيْنَ" کے لفظ سے یاد کرتا ہے کہ وہ جیسے ہی چلے دوسرے راستہ پر پڑ گئے، لیکن الحمدللہ اسلام اس سے بالکل محفوظ ہے، اس وقت تک توحید وشرک کا فرق، سنت وبدعت کا فرق، اسلام اور جاہلیت کا فرق، غیر مسلمین کی معاشرت وتمدن اور اسلامی معاشرت وتمدن کا فرق بالکل واضح ہے، کوئی ملک کسی وجہ سے کسی خاص زمانہ میں کسی خارجی یا داخلی سبب کی بناء پر کسی سازش کا شکار ہوجائے، یا کسی فتنہ میں مبتلا ہوجائے یہ الگ بات ہے، علمائے حق

www.abulhasanalinadwi.org

اس صورتِ حال سے بھی نبرد آزما اور اس کے مقابلہ میں صف آرا رہتے ہیں اور اصلاح حال کی کوشش جاری رہتی ہے پوری امت مسلمہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ" (یعنی تم اللہ کے لئے حق کے علم بردار بن جاؤ) ہماری زبان اور محاورہ میں "خدائی فوجدار" ایک طنز کا لفظ ہے کہ آپ خدائی فوجدار ہیں؟ لیکن "قوّامین للہ" کا مفہوم تقریباً "خدائی فوجدار" ہی کا ہے، مبالغہ کے اس صیغہ (قوّامین) سے خدائی فوجداری کی شان ظاہر ہوتی ہے اگر قائمین للہ ہوتا تو شاید یہ بات نہ پیدا ہوتی، کوئی پوچھے نہ پوچھے کوئی بلائے نہ بلائے، کوئی کہے نہ کہے آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، آپ ہر جگہ پہونچ رہے ہیں، اس آیت میں خطاب اگرچہ پوری امت کو ہے لیکن علماء کی اس بارے میں امتیازی شان ہونی چاہئے، ان کو "شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ" حق و صداقت کا گواہ و علم بردار ہونا چاہئے، اگر امت اسلامیہ کا فرض اقوام عالم کا احتساب ہے تو علمائے اسلام کا فرض مسلم معاشرہ کا احتساب کرتے رہنا ہے کہ کہاں سے یہ معاشرہ صراط مستقیم سے ہٹ رہا ہے، کہاں سے اس نے خط مستقیم کو چھوڑا ہے، اس بارے میں ان کا کام بالکل بیرومیٹر کا سا ہے، وہ ہر جگہ، ہر موسم میں ہوا کا دباؤ بتاتا ہے، وہ صحیح شہادت ادا کرتا ہے۔

حضرات! اسی طرح علماء کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو زندگی کے حقائق، ملک کے حالات ماحول کے تغیرات اور تقاضوں سے باخبر اور روشناس رکھیں، ان کی کوشش رہنی چاہئے کہ مسلم معاشرہ کا رابطہ زندگی اور ماحول سے کٹنے نہ پائے، اس لئے کہ اگر دین اور مسلمانوں کا رابطہ زندگی سے کٹ گیا، اور وہ خیالی دنیا میں زندگی گذارنے لگے تو پھر دین کی آواز بے اثر ہوگی، اور وہ دعوت و اصلاح کا فرض انجام نہیں دے سکیں گے، اور اتنا ہی نہیں ہوگا بلکہ اس دین کے حاملین کو اس ملک میں رہنا مشکل ہو جائے گا تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جہاں علماء نے سب کچھ کیا لیکن زندگی کے حقائق سے امت کو روشناس نہیں کیا، اس ماحول میں اپنے فرائض کے انجام دینے کی انھوں نے تلقین نہیں کی، ایک اچھا شہری، ایک مفید عنصر

www.abulhasanalinadwi.org

بننے، اور اس ملک کی قیادت حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہاں اس ملک نے ان کو اس طرح اگل دیا جیسے لقمہ اگلا جاتا ہے، اور ان کو اگل کر کے باہر پھینک دیا، اس لئے کہ انھوں نے اپنی جگہ نہیں بنائی تھی، آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانش مندانہ، اور حقیقت پسندانہ دینی قیادت کے محتاج ہیں، آپ اگر مسلمانوں کو سو فیصدی تہجد گزار بنا دیں، سب کو متقی و پرہیزگار بنا دیں لیکن ان کا ماحول سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، ملک ڈوب رہا ہے، ملک میں بداخلاقی طوفان اور وبا کی طرح پھیل رہی ہے، ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو رہی ہے تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تہجد تو تہجد پانچ وقتوں کی نمازوں کا پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اگر آپ نے دین داروں کے لئے اس ماحول میں جگہ نہیں بنائی، اور ان کو ملک کا بے لوث مخلص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا، جو ملک کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اور ایک بلند کردار پیش کرتا ہے، تو آپ یاد رکھئے کہ عبادات و نوافل اور دین کی علامتیں اور شعائر تو الگ رہے، وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے اگر آپ نے مسلمانوں کو اجنبی بنا کر اور ماحول سے کاٹ کر رکھا، زندگی کے حقائق سے ان کی آنکھیں بند رہیں، اور ملک میں ہونے والے انقلابات، نئے بننے والے قوانین، عوام کے دل و دماغ پر حکومت کرنے والے رجحانات سے وہ بے خبر رہے تو پھر قیادت تو الگ رہی (جو خیر امت کا فرض منصبی ہے) اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی، فاتح مصر صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن العاصؓ نے جس وقت مصر فتح کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصیرت پر ضرور منکشف کیا ہوگا کہ انشاء اللہ مصر سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں برس تک اسلام کا حلقہ بگوش رہے گا، مرکز اسلام سرزمین مقدس حجاز اس کے بالکل قریب ہے، رومی شہنشاہی وہاں سے بے دخل ہو چکی، قبطی مسیحی سلطنت دم توڑ چکی، لیکن انھوں نے عربوں اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا، "انتم فی رباط دائم" یاد رکھو تم ہمیشہ محاذ جنگ پر ہو،

www.abulhasanalinadwi.org

تم ہمیشہ سرحد پر پہرا دے رہے ہو، آنکھ جھپکی اور مارے گئے، ناکے پر کھڑے رہنے والے کو ہر وقت چوکنا اور بیدار رہنا چاہیئے، اس کے لئے نہ غفلت کی گنجائش ہے، نہ تغافل کی، نہ جہل کی نہ تجاہل عارفانہ کی۔

حضرات! جس ملک میں اس وقت ہم زندگی گذار رہے ہیں، اس ملک کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، یہ ملک گرد و پیش کے ممالک اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اس ملک میں بہت سے فلسفے، بہت سی سلبی طاقتیں، بہت سی تخریبی تحریکیں، کام کر رہی ہیں، اور بہت سرگرم اور فعّال ہیں، نظام تعلیم برابر بدلتا رہتا ہے، اور کبھی وہ شدت سے عقائد و حقائق دینی پر اثر انداز ہوتا ہے، جبری تعلیم نے اور قومی زبان نے بھی نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اس حالت میں ہم کو حالات کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیئے، اور اپنے تحفظ کا سامان کرتے رہنا چاہیئے۔

اسی کے ساتھ مسلمانوں کو بتانا چاہیئے کہ دیکھو اس ملک کو تباہی سے بچانا تمہاری ذمہ داری ہے، تم باایمان، بااصول، اور باکردار بن کر یہاں رہو، اگر تم یہاں پر حضرت یوسفؑ کا نمونہ پیش کرو گے، تو پھر وہ وقت آئے گا کہ اہم سے اہم نازک سے نازک تر، اور دشوار سے دشوار تر ذمہ داری تمہارے سپرد کی جا سکے گی، حضرت یوسفؑ نے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفیظ و علیم کی صفت عطا فرمائی تھی، دیکھا کہ اس ملک میں اس وقت تک دین کی اشاعت نہ ہو سکے گی، اور دین کے لئے مقام پیدا کیا نہ جا سکے گا، جب تک وہ وہاں اپنی اہلیت، اپنی خیر خواہی، انسان دوستی اور عدل کا ثبوت نہ دے دیں گے، اور اللہ کے بندوں کو اپنا گرویدہ نہ بنا لیں گے، اس وقت تک اس ملک میں خدائے واحد کا نام لینا بھی مشکل ہوگا، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ہمارے بغیر یہ ملک چل نہیں سکتا، ہم نہ رہے تو یہ ملک تباہ ہو جائیگا یاد رکھئے اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے، اور جو گرم و سرد ہوائیں چل رہی ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

ان سے بے خبر ہو جائیں گے، اور ہم کسی تکیف (AIR CONDITIONED) مکان میں رہنا شروع کر دیں گے، جہاں نہ گرم جھونکا پہونچ سکے نہ سرد، تو ہم اپنے ساتھ بھی بدخواہی کریں گے، اپنے دین کے ساتھ بھی، کوئی فرقہ، ملک کی آبادی کا کوئی عنصر باقی عناصر سے کٹ کر نہیں رہ سکتا، ہاں اس کے شرائط اور حدود ہیں، آپ ہرگز تحلیل نہ ہوں، آپ اپنے پیغام اور دعوت کے ساتھ رہیں، آپ اپنی تہذیبی و معاشرتی خصوصیات کے ساتھ رہیں، آپ اپنے ملی تشخص کو پورے طور پر برقرار رکھیں، اور اس کے کسی حصہ سے بھی آپ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں، لیکن زندگی کے دھارے سے الگ نہ ہوں، میں قومی دھارے کو نہیں کہتا (خدا نہ کرے کہ اس زندگی میں کبھی میری زبان سے یہ لفظ نکلے کہ قومی دھارے میں جذب ہو جایئے) نہیں، زندگی کے دھارے سے آپ الگ نہ ہوں، اس لئے کہ زندگی کے دھارے سے جو الگ ہوا وہ الگ ہی ہو گیا، اس کی جگہ زندہ انسانوں میں نہیں رہتی، میں اسلام کو ایسا محدود اور ناقص نہیں سمجھتا کہ اگر حالات اور زندگی کے مسائل کی طرف توجہ کی جائے تو فرائض چھوٹ جائیں گے، عقائد میں خلل آجائے گا، ہمارے اسلاف نے شہنشاہی کی اور امپائر بنائے ہیں، لیکن ان کی تہجد بھی نہیں چھوٹی، معمولی سنت بھی ترک نہیں ہوئی، حضرت سلمان فارسی کا واقعہ ہے کہ عراق کے گورنر تھے، اور مدائن کے دارالحکومت میں رہتے تھے، ایک مرتبہ کھانے کی کوئی چیز زمین پر گر گئی تو اٹھا کر صاف کر کے کھانے لگے، کسی نے کہا کہ ارے آپ والی ہو کر ایسا کام کرتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ کیا میں اپنے حبیبؐ کی سنت تم جیسے بیوقوف کی خاطر چھوڑ دوں گا؟ یہ نہیں کہ آگ آئے تو پانی نہیں رہے گا، اور پانی آئے تو آگ بجھ جائیگی، یہ غلط تخیل ہے، آپ پوری عزیمت، شان تقویٰ، اور کثرت عبادت کے ساتھ اچھے اور کامیاب شہری بن سکتے ہیں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی اچھا شہری بن سکتا ہے، جو خدا کا صحیح پرستار اور اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

اصولوں کا پابند ہو آج ہندوستان ہی نہیں تقریباً تمام خالص مسلم ممالک اور عرب ممالک کی بھی حالت یہ ہے کہ وہاں بھی یورپ امریکہ کے گرم جھونکے آرہے ہیں نئے نئے فتنے پیدا ہورہے ہیں اسلام اور جاہلیت کی کشمکش برپا ہے وقت کے نئے نئے تقاضے اور زندگی کے نئے نئے مسائل درپیش ہیں ان سے آنکھیں بند کرلینا اور یہ کہنا کہ نہیں کچھ نہیں ہورہا ہے غلط ہے اس حقیقت پسندی وسیع النظری اور جامعیت کا ثبوت دینے کا حیدرآباد میں اور بھی اچھا موقعہ ہے یہاں تعلیم بھی ہے اور قوت عمل بھی یہاں نئے نئے ادارے نئی نئی تنظیمیں اور تحریکیں پیدا ہورہی ہیں لیکن مسلمانوں کو ایک اجتماعی قیادت اور صحیح مشورے کی ضرورت ہے ایک طرف تو عقائد کے بارے میں اصول کے بارے میں، شریعت کے منصوصات کے بارے میں پہاڑ کی سی استقامت اور فولاد کی سی صلابت ہو دوسری طرف زندگی کے مسائل میں پورا فہم پوری دانش مندی پوری باخبری اور پوری ہمدردی یہ دونوں چیزیں ہوں گی تو انشاء اللہ ہم موجودہ حالات سے نہ صرف یہ کہ عہدہ برآ ہوجائیں گے بلکہ مجھے پوری امید ہے کہ قیادت آپ کے پاس خود آئیگی مسلمانوں میں سیاسی شعور الوعی السیاسی (شہری شعور) الوعی المدنی (CIVIL SENCE) پیدا کرنا ضروری ہے وہ جس محلہ میں رہیں ممتاز نظر آئیں اور معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا محلہ ہے مسلمانوں کے گھر ہیں دین کو اس کی حقیقی روح اور مظاہر کے ساتھ ایک خوش اسلوب شہری زندگی انسانیت دوستی حقیقت پسندی ہوش مندی ملک کے لئے فکرمندی اس کو بچانے کے لئے خطر پسندی اور مہم جوئی کی ضرورت ہے اس کے لئے آپ خود نمونہ بنیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے نمونہ پیش کریں۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

www.abulhasanalinadwi.org

# غیر اسلامی شعائر و رسوم کی نقل و تقلید سے احتراز کی ضرورت

درج ذیل تقریر ۱۴ اکتوبر کو دس بجے دن جامعہ عربیہ دارالعلوم میر عالم تالاب حیدرآباد میں علماء، اساتذۂ مدارس، طلبائے عربی اور شہر کے معززین کے ایک جلسہ میں کی گئی، دستور کے مطابق پہلے قرأت ہوئی، قاری نے سورۂ بقر کی آیت "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (آیت ۱۰۴) پڑھی ملحوظ رہے کہ عام طور پر ایسے مواقع پر قاری حضرات قرآن مجید کے خاص رکوع پڑھا کرتے ہیں، جو معروف و متداول ہیں، یہ بھی ایک غیبی انتظام تھا کہ قاری نے سورۂ بقر کی ان دو آیتوں ۱۰۴-۱۰۵ کا انتخاب کیا، مقرر کو اس کی روشنی میں ان حقائق و ضروریات کی طرف توجہ دلانے کا موقعہ ملا، جن کا حیدرآباد کے تازہ واقعات اور حالات سے خاص تعلق تھا، جن میں مزارات پر پنکھوں کا جلوس لے جانے کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور جس کا عام طور پر حیدرآباد میں چرچا تھا۔

خیر مقدمی تقریر جناب سید لطیف الدین صاحب قادری صدر کمیٹی بلڈنگ فنڈ دارالعلوم و منیجنگ ایڈیٹر "رہنمائے دکن" نے فرمائی۔

www.abulhasanalinadwi.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری صاحب نے یہ آیت پڑھی ہے جس کی ابھی میں نے تلاوت کی جس کا سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ "اے ایمان والو "رَاعِنَا" نہ کہو "اُنْظُرْنَا" کہو اور (دھیان کے ساتھ) سنو، اور کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے" ہمیں معلوم ہونا چاہیئے اور جن کو معلوم ہو اس کو حافظہ میں تازہ کر لینا چاہئے کہ یہ آیت کس موقعہ پر نازل ہوئی اور ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے، اس میں ہمارے لئے کیا پیغام ہے؟

"رَاعِنَا" عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے جس کے معنی ہیں "ذرا ہمارا خیال کیجئے" ذرا سی (سننے والوں کی) رعایت کیجئے، اور "اُنْظُرْنَا" بھی عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ذرا سا ہمارا انتظار کیجئے، ذرا دیکھ لیجئے کہ ہم نے سنا یا نہیں، دونوں عربی کے لفظ ہیں، دونوں فصیح ہیں، لیکن قصہ کیا ہے کہ ایک سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے، اور اس کتاب میں جو قیامت تک پڑھی جانے والی ہے، اس ممانعت کو جگہ دی جاتی ہے، وہ دور بھی ختم ہوا، قرآن شریف بہت سے ایسے ملکوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے، جہاں عربی زبان نہ بولی جاتی نہ سمجھی جاتی ہے، پھر اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی، اور اس کو قیامت تک اور ہر ملک میں پڑھی جانے والی، اور ہر زبان میں ترجمہ کی جانے والی کتاب میں کیوں شامل کیا گیا؟ یہ سوچنے کی بات ہے، اس لفظ کا قصور کیا ہے کہ اس سے منع کیا جاتا ہے، اور اسی کے ہم معنی لفظ کی تعلیم دی جاتی ہے کہ بجائے اس لفظ کے یہ لفظ کہو۔

قصہ یہ ہے کہ جن جماعتوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ ظلم اور ناانصافی

کی جاتی رہی ہے، اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ اپنے دل کا بخار باتوں باتوں میں چٹکی لینے میں، طنزیہ اور ذو معنی الفاظ بولنے میں نکال لیتی اور اپنا دل خوش کر لیتی ہیں، (ہماری اردو میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو معصوم اور دیکھنے میں باوقار ہیں، مگر مذموم معنی میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً آپ بڑے استاد ہیں" فلاں ذات شریف ہیں") میں چونکہ لکھنؤ میں رہتا ہوں، وہاں اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، یہودیوں کا طریقہ تھا کہ جب دربار نبویؐ میں آتے تھے، اور گفتگو کا سلسلہ جاری ہوتا، تو کہتے تھے "رَاعِنَا" (ذرا ہماری رعایت کیجئے) وہ اس لفظ کو ذرا دبا کر کہتے تو "رَاعِیْنَا" بن جاتا جس کے معنی ہوتے ہیں، ہمارا چرواہا، جو صاف ذہن و دل کے لوگ ہیں، ان کا ذہن بھی ادھر منتقل نہیں ہوتا کہ اس میں چٹکی لی گئی، یہودیوں کی نظر میں اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) کی اولاد کے علاوہ سب دوسرے درجہ کے انسان اور جمادات و حیوانات کی سطح کے لوگ ہیں، غیر یہودی کے لئے ان کے یہاں (GENTILE) کا لفظ ابھی تک موجود ہے، جس کے معنی ہیں "غیر یہود یا صابی" وہ سمجھتے تھے کہ اُمّیّین کے ساتھ جس طرح کا معاملہ کیا جائے جائز ہے، جھوٹ بولا جائے تو جھوٹ نہیں، ان کی کوئی چیز دبا لی جائے تو چوری نہیں، ان کو دکھ دیا جائے تو گناہ نہیں "لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ" (ہم سے امیین کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا) صحابہ کرامؓ کا ذہن تو اس طرف نہیں گیا، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ علیم و خبیر ہے، وہ لحن القول کو بھی سمجھتا ہے، یعنی جو باتیں چبا کر اور ذرا اخفاء و اشباع کے ساتھ کہی جاتی ہیں، ان کو بھی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت کی کہ عربی زبان بہت وسیع ہے، بجائے راعنا کے انظرنا کہا کرو، کہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

خیال فرمائیے کہ جب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالیٰ احتیاط کی تعلیم دیتا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہو، اور ایسا لفظ نہ نکلے جو مقام نبوت کے شایان شان نہیں، تو غیر مسلموں کے رسوم و شعائر اختیار کرنے کا (جن میں ان کے عقائد، دیومالا، اور فلسفے کا عکس ہے) کیا جواز ہو سکتا ہے، یہی اس آیت کے مستقل طور پر جزء قرآن ہونے کی حکمت ہے، آپ نے اس رمضان میں جو تراویح پڑھی اس میں بھی یہ آیت پڑھی گئی ہوگی، اور اگر چھوٹ جاتی تو قرآن نامکمل رہ جاتا، اور اس کو آخر میں پڑھنے کی تاکید کی جاتی، سوال کیا جا سکتا ہے کہ اب نہ یہود رہے اور نہ وہ حضرات انصار و مہاجرین، جن کے سامنے کا یہ واقعہ ہے، اور جو اس کے مخاطب تھے، تو اس آیت کے باقی رہنے کی کیا حکمت اور افادیت ہے۔

میں اس کا جواب دوں گا کہ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ حقیقت ہمارے پیش نظر رہے کہ جب ایک لفظ کا استعمال (جو دوسری قوم کا حربہ تھا) درست نہیں تو دوسری قوموں کے مخصوص عادات، اور ان کے شعائر و رسوم کو اختیار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے، اب یہ منطق کیسے درست کہی جا سکتی ہے کہ بھائی بعض قوموں اور فرقوں کا جلوس نکلتا ہے، جس سے ان کے قومی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے، ہم بھی جلوس نکالیں، ان کے یہاں جھنڈا اٹھتا ہے، ہم بھی اس کے مقابلہ میں مزارات پر پنکھے لے جائیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی تعریف فرمائی کہ عمرؓ جس راستہ چلتے ہیں، شیطان اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے، ہمیں سبق لینا چاہئے کہ ایسی چیزوں سے ہم احتراز کریں جو ہمیں کسی گمراہی یا غلط فہمی میں مبتلا کر دے، توحید اور اتباع سنت کے راستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا جائیں، اور ہم دوسری سرحدوں میں جا پڑیں، جب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کو حرکت ہوئی، اور اس نے یہ پسند نہیں کیا کہ مسلمان راعنا کا لفظ استعمال کریں

www.abulhasanalinadwi.org

جو ہزاروں برس سے بولا جارہا تھا، اور ابھی تک عربی زبان و لغت میں موجود ہے تو غیر مسلموں اور جاہلی اقوام کے شعائر و رسوم کے اختیار کرنے، اور ان کی نقالی اور ریس کرنے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کیوں جوش میں نہ آئے گی، ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے جب مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوگئی یا چھوٹ گئی، اپنے معاشرہ (سماج) کا اپنے مذہب سے (جس کو وہ دھرم کہتے ہیں) رابطہ قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے جشن، رونق کی چیزیں اور اجتماع کے مواقع ایجاد کئے، اس لئے کہ اس کے بغیر ان کے دھرم سے ان کے سماج کا ربط قائم نہیں رہ سکتا تھا، وہاں مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عبودیت یا بندگی کا نہیں تھا، اب کیسے معلوم ہو کہ یہ ہندو ہیں، اور ان کا بھی ایک دھرم ہے، اس کے لئے انھوں نے تہوار، جلوس، جلسے نکالے، رام لیلا، دسہرا، ہولی، دیوالی، بنگال میں درگا پوجا کا تہوار، دکن میں گن پتی کا جلوس سب اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اسلام کی روح، اس کا طریق فکر اور اس کا شعار کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک دن ایک یہودی عالم حضرت عمرؓ کے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے "یا امیر المومنین ایۃ تقرؤنھا فی کتابکم لو علینا معشر الیھود نزلت لاتخذنا ذلک الیوم عیدا"[1] امیر المومنین ایک آیت ہے، جو آپ اپنی کتاب میں (بے تکلف) پڑھتے ہیں کہیں اگر ہم یہودی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کا ایک جشن اور تہوار مناتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کون سی آیت؟ یہودی عالم نے کہا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" یہودی عالم کو معلوم تھا کہ یہودی شریعت اور مذہب کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کہ نبوت فلاں اسرائیلی نبی پر ختم ہوگئی، یہ واقعہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی آسمانی دین میں یہ اعلان موجود نہیں کہ اب دین مکمل ہوگیا، اس خلا کو وہ مذاہب

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ملتیں خود محسوس کرتی تھیں، اس لئے کہ روز کوئی نہ کوئی نبوت کا دعویدار کھڑا ہو جاتا تھا، اور کہتا تھا کہ میں نبی ہوں، یہودی اور عیسائی مورخین و فضلاء اپنے مضامین میں سر پکڑ کر روتے اور فریاد کرتے نظر آتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے کہ روز ایک مدعی نبوت کھڑا ہوتا ہے، اور یہودی اور عیسائی معاشرہ میں ایک انتشار اور افتراق پیدا ہو جاتا، اور ایک مسئلہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، اس نے کہا کہ اتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، جس سے انتشار اور روز روز کا جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، لیکن تعجب ہے کہ جس آیت کے ذریعہ آپ کو یہ انعام ملا، اور اس کا اعلان ہوا، آپ اس کا جشن نہیں مناتے؟

حضرت عمرؓ نے اس کا سیدھا سا جواب دیا، جو دین کا رمز شناس، اور درسگاہ نبوت کا اعلیٰ تربیت یافتہ ہی دے سکتا ہے، فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی، یہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو نازل ہوئی، حضرت عمرؓ نے اتنا ہی کہا، اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ پہلے سے ایک تاریخی اور یادگار دن ہے، جس میں مسلمان جمع ہوتے اور عبادت کرتے ہیں، دوسرے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ وہ کس دن نازل ہوئی لیکن ہم اس دن کو اس کا تہوار نہیں بنائیں گے، اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو ہی عیدیں مانی ہیں اور امت کو عطا کی ہیں، ایک عید الفطر ایک عید الاضحیٰ، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں غیر مسلموں کے تہواروں کے مقابلہ میں دو تہوار دیئے ہیں، ایک عید الفطر کا، ایک عید الاضحیٰ کا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ان دونوں کے علاوہ کوئی مستند اور مشروع تہوار نہیں، یہ بھی خیال رہے کہ غیر مسلموں کے تہوار کھُل کھیلنے، دھوم مچانے، اور رنگ رلیاں منانے کے لئے ہیں، جن میں آدمی خدا کو بھی بھول جاتا ہے اور اپنے کو بھی، اور بعض اوقات تہذیب و اخلاق کو بھی،

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے برخلاف اسلامی تہواروں (عیدین) کی شان یہ ہے کہ چاشت کی نماز فرض وواجب تو کیا، سنت مؤکدہ بھی نہیں تھی، لیکن ان دونوں دنوں میں اسی چاشت کے وقت میں ایک نئی نماز (دوگانۂ عید) کا اضافہ کیا گیا، اور اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا گیا، ہر نماز میں دو تکبیریں، ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع ہوتی ہے، دوگانۂ عید میں ان دو تکبیروں کے علاوہ تین تکبیریں اور بڑھا دی گئیں، یہ اچھا تہوار ہوا، نماز بھی بڑھا دی، اور نماز میں تکبیروں کی تعداد بھی بڑھا دی، اور ایک خطبہ کا بھی اضافہ ہوا، یہ ہے اسلامی تہواروں کی خصوصیت۔

حضرات! آپ ایک دینی درسگاہ، اور ایک جامعہ کے استاد و طالب علم ہیں، آپ کا فرض ہے کہ اس بات کی چوکسی اور چوکیداری کریں کہ مسلمان راعنا تو نہیں کہہ رہے ہیں، راعنا کہنے سے راعنا کرنا اور بھی بُرا ہے، مسلمانوں کی یہ ذہنیت تو نہیں ہوگئی کہ صاحب فلاں قوم فلاں فرقہ فلاں چیز کا جلوس نکالتا ہے، ہم اس کے مقابلہ میں فلاں چیز کا جلوس نکالیں، یہ طرز عمل راعنا کہنے سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ راعنا تو ایک لفظ تھا، جو ہوا میں اڑ کر رہ جاتا تھا، لیکن جو چیز غیر مسلموں کی نقل میں کی جائیگی وہ عملی راعنا ہے، اور اس کا اثر عقائد و اعمال، اور تمدن و معاشرت پر پڑے گا، علماء کا فرض ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بدعت، کوئی منکر، اور غیر مسلموں کی تقلید کی دعوت سامنے آئے تو صاف کہہ دیں کہ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے منافی ہے، آج درگاہوں اور مزاروں پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ زیادہ تر غیر مسلموں کی نقل ہے، ان اعمال و رسوم و بدعات کی تاریخ موجود ہے، جن سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں سے شروع ہوئیں، اور ان کے محرکات کیا تھے، دین کی روح عبادت ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

دین کی روح انابت الی اللہ ہے، دین کی روح توحید ہے، دین کی روح سادگی ہے، دین کی روح وہ ہے جس سے کرنے والے کو بھی فائدہ پہونچے دوسروں کو بھی، عید الاضحیٰ میں نماز تو نماز قربانی بھی رکھ دی کہ محلہ اور گاؤں میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو گوشت کو بھی ترستے ہیں، مہینوں گذر جاتے ہیں ان کو گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا، آج پیٹ بھر کر گوشت کھالیں گے، اور حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت بھی ادا ہو جائیگی۔

خاص طور پر علماء کا فرض ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھیں کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی راعنا دبے پاؤں تو نہیں چلا آرہا ہے؟ جہاں آئے وہیں اس کو روک دیں، آپ نے امت کو وصیت کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ"[1] (میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو جو ہدایت یافتہ تھے، اس کو مضبوط ہاتھوں سے تھامو اور دانتوں سے دباؤ) ہمارے مدارس کا فائدہ اور اصلی غرض وغایت یہی ہے کہ وہ دین کے چوکیدار، راتوں کو پہرہ دینے والے پیدا کریں، اگر وہ بھی "ہر کہ درکان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن جائیں، اور ہر شرعی اور غیر شرعی کام میں عوام کا ساتھ دینے لگیں، بلکہ قیادت کرنے لگیں تو پھر بقول شاعر۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اگر عربی زبان پڑھی اور اس سے نوکری مل گئی تو پھر عربی انگریزی میں کیا فرق ہوا، علماء کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے، اور انبیاء دین کے پاسبان، اور اس کے بارے میں

---

[1] روایت عرباض بن ساریہ۔ مشکوٰۃ شریف۔

www.abulhasanalinadwi.org

سخت غیور اور ذکی الحس ہوتے ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں نے فرمائش کی کہ "اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ" ہمارے لئے بھی کوئی ایسا (رونق اور جشن والا محسوس و مرئی) معبود تجویز کر دیجئے جیسے ان قبطیوں اور مصریوں کا ہے، تو انھوں نے جلال میں آکر کہا کہ "اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝"[1] (تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے) ہوئے ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے، اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں) بعینہ اسی طرح کا واقعہ، اور اسی جاہلی و تقلیدی ذہنیت کا ظہور ایک سفر میں عہد رسالت میں بھی ہوا، عرب کے بعض قبائل کو ایک بڑے اور سرسبز درخت سے جس کا نام ذات انواط تھا، خاص عقیدت تھی، وہ اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اور اس کے نیچے قربانیاں کرتے تھے، ایک دن وہاں قیام کرتے تھے، غزوۂ حُنین کے موقعہ پر بعض ایسے مسلمانوں کے (جن کو اسلام لائے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے) اس کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا، اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا "یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی مرکز عقیدت تجویز فرما دیجئے، جیسا ان قبائل کے پاس ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر بڑا جلال آیا اور فرمایا کہ یہ تو حضرت موسیٰؑ کی قوم کا سا قصہ ہوا، بے شک تم اپنی پیش رو قوموں کی ایک ایک بات اور طریقہ کی پیروی کرو گے۔[2]

علماء میں بھی ایسا دینی جلال، اور توحید و سنت کے بارے میں غیرت اور حمیت ہونی چاہئے، اور ہمارے مدارس عربیہ و دینیہ ہی عنصر اور جنس پیدا کرنے کے لئے

---

[1] سورۂ اعراف ۱۳۸، ۱۳۹ [2] سیرت ابن ہشام۔ ج ۲ ص ۴۴۲ اصل روایت صحاح میں بھی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

قائم ہوئے تھے، اور ان کو اپنی یہ خصوصیت ہمیشہ برقرار رکھنی چاہیئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

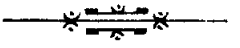

www.abulhasanalinadwi.org

# قصہ سات جواں مردوں کا

یہ تقریر ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو دس بجے دن کو اورنگ آباد آزاد کالج میں اساتذہ طلبہ اور معززین شہر کے ایک بڑے اجتماع میں کی گئی، جس کی صدارت مشہور شاعر جناب سکندر علی وجد (سابق ممبر راجیہ سبھا) نے کی، ابتدا میں کالج کے جنرل سکریٹری ذوالفقار حسین صاحب نے تعارفی تقریر کی، اور آخر میں کالج کے پرنسپل ڈاکٹر مظہر محی الدین صاحب نے شکریہ ادا کیا، مولانا نے خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝

(سورۂ کہف ـ ۱۳ ـ ۱۴)

حضرات! میرے لئے یہ دوسرا موقعہ ہے کہ آپ کے ادارہ میں حاضر ہوا ہوں، اس ادارہ کی نسبت جس شخصیت سے ہے، اس سے میرے ادارہ (ندوۃ العلماء) اس کے سرپرستوں اور بزرگوں، فضلاء اور کارکنوں کے بڑے قریبی تعلقات رہ چکے ہیں، مجھے بھی ان سے ذاتی طور پر نیاز حاصل تھا، اور وہ شفقت فرماتے تھے[۱]، یہ عزیز نسبت پھر اس ادارہ کا جائے وقوع شہر اورنگ آباد دونوں میری نظر میں اہمیت رکھتے ہیں، آپ کے اس شہر اورنگ آباد کے ساتھ ایک تاریخ وابستہ ہے، محض عسکریت کی تاریخ نہیں، فتوحات کی تاریخ نہیں، حوصلہ مندی اور عزیمت کی تاریخ اور فقر و درویشی کی تاریخ بھی وابستہ ہے، میں اس کو ہندوستان کا غرناطہ کہتا ہوں، مجھے غرناطہ جانے کا بھی شرف حاصل ہوا ہے، مجھے اورنگ آباد اور غرناطہ کی تاریخ میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے، لیکن یہ ایک مستقل تقریر، یا ایک مفصل مقالہ کا موضوع ہے۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورۂ کہف کی ایک آیت پڑھی ہے، اس کا عنوان اگر اس زمانہ کے اسلوب اور اسٹائل میں مقرر کروں تو کہوں گا "قصہ ساجوان مردوں[۲] کا"

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "پرانے چراغ" حصہ دوم۔ [۲] قرآن مجید میں آتا ہے کہ کسی نے کہا چار[؟] تھے،

(باقی ص ٦١ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اس قصہ میں نسل انسانی کے نوجوان عنصر کے لئے خصوصی پیغام، اور ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکتا ہے، اور جو صرف دماغ و دل پر نہیں، بلکہ صلاحیتوں، حوصلوں اور عزائم پر بھی ایک تازیانہ کا کام دے سکتا ہے، وہ کبھی شبنم ٹپکاتا ہے، کبھی پھول کی چھڑیاں لگاتا ہے، مجھے بھی آج نوجوانوں کے سامنے نوجوانوں کا قصہ سنانا ہے، اور میں کیا سناؤں گا، قرآن مجید سناتا ہے، یہ وہ نوجوان ہیں جن کو قرآن نے ان کا تذکرہ کرکے لافانی بنا دیا ہے، اور ہر دور کے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ اور آئیڈیل، بات بڑی مختصر، بڑی سادہ، لیکن بڑی عمیق اور سبق آموز ہے۔

قصہ یہ ہے کہ رومن امپائر کے ایک حصہ میں جو شام و فلسطین کہلاتا ہے، ایک دعوت پیدا ہوئی، جس کے لانے والے سیدنا مسیح علیہ الصلاۃ والسلام تھے، جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے پیغمبر برحق ہیں، انھوں نے توحید کی دعوت دی، اس وقت ساری دنیا میں شرک پھیلا ہوا، اور ہر طرف گھٹاٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی، اس اندھیرے میں ایک روشنی چمکی، حضرت عیسیٰؑ نے شرک، نسل پرستی، رسم پرستی، توہم پرستی، ظاہر پرستی، اور انسانیت کے استحصال کے خلاف ایک آواز بلند کی، جس کی اصل اساس توحید، اور سچی خدا پرستی تھی، اس دعوت کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا اور وہ اس کے حامل و داعی بن گئے، انھوں نے اپنے اس قلمرو سے باہر قدم نکالا، اور رومی شہنشاہیت کے مرکز کے قریب جاکر دعوت پیش کی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سن رسیدہ اور پختہ کار لوگوں کے مقابلہ میں (جن کے پاؤں میں تجربات، مفادات،

---

(باقی صفحہ ٦٠ کا) پانچواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا چھٹے تھے، ساتواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا، اس کے بعد قرآن مجید نے آگے کوئی ہندسہ نہیں بتایا، اس سے مفسرین اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ وہ تعداد میں سات ہی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رسم ورواج، اور خوف وامید کی بھاری بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں، اور ان کو کسی نئے تجربے اور انقلابی اقدام سے باز رکھتی ہیں) نوخیز اور جواں سال (جن کے پاؤں میں یہ بیڑیاں نہیں ہوتیں) اور ان کی وابستگیاں، اور ان کا (ATTACHMENT) ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا، جن کے ساتھ عموماً بڑی عمر والوں کا ہوا کرتا ہے، نئی اور صالح دعوت کو جلد قبول کر لیتے ہیں، قرآن مجید ان نوجوانوں کی عمر کا تعین نہیں کرتا، اور یہی قرآن مجید کا طریقہ ہے، اگر وہ کہتا کہ ۱۸۔۲۰ سال کے نوجوان تھے، تو اس سے اوپر اور اس سے نیچے کی عمر والوں کو بہانہ مل جاتا کہ ہمارا قصہ نہیں ہے، قرآن کہتا ہے "اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ" وہ چند نوجوان تھے، جو حضرات عربی کا ذوق رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ "فتیۃ" کے لفظ میں عمر کی جوانی کے ساتھ دل ودماغ، اور حوصلوں اور عزم وارادہ کی جوانی کی طرف بھی اشارہ آگیا ہے، اس لئے اس کے ترجمہ میں میں نے "جواں مرد" کا لفظ اختیار کیا، "فتیۃ" "فتی" کی جمع ہے "فتی" کی جمع "فتیان" بھی آتی ہے، لیکن "فتیۃ" جمع قلت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس طرح قرآن اشارہ دیتا ہے کہ وہ گنتی کے چند نوجوان تھے، اور یہی ہمیشہ ہوا ہے کہ جب خدا پرستی اور اصلاح حال کی صحیح دعوت آئی ہے تو اس کے ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوئے ہیں، جن کو خدا نے اس کی توفیق دی اور ان کو یہ ہمت ہوئی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات میں سے "رب" کا لفظ استعمال فرمایا ہے "اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ" یہ بات بہت معنیٰ خیز ہے، اس لئے کہ حکومتوں کو اپنے یہاں کے باشندوں کا رازق ہونے کا بھی (کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے) دعویٰ ہوتا ہے، اور ان کے ساتھ اس طرح کے خیالات اور عقیدے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ اگر اپنی پرورش کا سامان کرنا ہے، اور عزت ورحمت کی

www.abulhasanalinadwi.org

زندگی گذارنی ہے، تو ان حکومتوں سے اپنے کو متعلق کرنا پڑے گا، ان کا غاشیہ بردار ہو کر رہنا، اور ان کی رکاب میں چلنا پڑے گا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگا، اس کے بغیر رزق اور خوش حال و فارغ البال زندگی کے دروازے یکسر بند ہیں، قرآن جو لفظ کہتا ہے، وہ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کا کام دیتا ہے، پوری پوری کتابوں کا مضمون ایک لفظ میں آجاتا ہے، یہ جواں مرد انسانوں کے اس جنگل میں کھڑے ہو گئے، جہاں اس رومن امپائر کا جھنڈا لہرا رہا تھا، جو اس وقت دنیا کی سب سے منظم، سب سے متمدن دنیا کو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ قانون دینے والی، دنیا کے سب سے وسیع خطہ پر حکومت کرنے والی شہنشاہی تھے، انگریزی محاورہ کے مطابق اس حکومت کی ناک کے نیچے، اور بالکل آنکھوں کے سامنے چند نوجوان کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس دعوت کو قبول کر کے اس کا اعلان کرتے ہیں، جو اس وقت کا صحیح مذہب، اور اس عہد کا اسلام تھا، اس وقت تک مسیحیت میں تحریف نہیں ہوئی تھی، اس کے وہ داعی وہاں پہونچے تھے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کے صحیح علمبردار تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارا رازق، اور ہماری پرورش کا ذمہ دار حکومت نہیں ہے، ہمارا رازق اور پروردگار خدا ہے، اور وہی ہماری پرورش کا ذمہ دار ہے، "رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" ہماری پرورش کرنے والا وہ ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، یہ بات اس منظم سلطنت میں کہی گئی تھی، جس نے وسائل معیشت پر قبضہ کر رکھا تھا، گویا وہاں کے باشندوں کی قسمت و روزی کی مالک بن گئی تھی، اور بظاہر نفع و ضرر کی ساری طاقتیں اس کے ہاتھ میں آگئی تھیں، اس وقت دانشمندی اور حقیقت پسندی کا ایک ہی ثبوت تھا کہ حکومت کے دامن سے وابستہ ہو کر حکومت کے عقیدہ کو اختیار کر کے کم سے کم اس عقیدہ پر سکوت اختیار کر کے اس قلمرو میں اچھی زندگی گذاری جائے،

www.abulhasanalinadwi.org

انھوں نے پوری یونانی دیومالا (GREEK MYTHOLOGY) اور رومی دیومالا (ROMAN-MYTHOLOGY) کا انکار کیا، جو اس وقت کی رومی تہذیب، تمدن و معاشرت، اور عقائد و اعمال میں سرایت کر چکی تھی، اور پورا معاشرہ مشرک، اور توہّم پرست بن گیا تھا، یونان اور روما (اور قدیم ہندوستان میں بھی) صفات الٰہی کا تصور دیوتاؤں کی شکل میں کیا جاتا تھا، اور ان کے نام پر بڑے بڑے معبد اور ہیکل بنے ہوئے تھے، یہ محبت کا دیوتا ہے، یہ شفقت کا، یہ روزی دینے کا، یہ جنگ کا، یہ ہیبت و جلال کا، یہ بارش کا، ان نوجوانوں نے بیک زبان ان سب کا انکار کیا اور کہا:-

| | |
|---|---|
| رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا | ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا |
| مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ | مالک ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود |
| هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ | سمجھ کر نہ پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس |
| اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ | وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی، |
| بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى | ہماری قوم کے ان لوگوں نے اس کے |
| اللّٰهِ كَذِبًا ۝ | سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، یہ (ان کے |
| (الکہف۔ ۱۴، ۱۵) | خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لائے۔ |

یہاں قرآن مجید نے ایک اور حقیقت بیان کر دی وہ یہ کہ پہلا قدم آدمی کی طرف سے اٹھتا ہے، پہلے ہمت اس کی طرف سے ہونی چاہئے، اس کے بعد اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے "اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى" (وہ اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا) اگر آدمی اس کا منتظر رہے کہ کوئی چیز خود بخود دل میں نفوذ کر جائے، یا اس کے گلے منڈھ دی جائے، تو یہ صحیح نہیں، پہلے خود فیصلہ اور ہمت کرنی ہوگی، اس کے بعد خدا کی مدد

www.abulhasanalinadwi.org

آتی ہے، فرماتا ہے "وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ" (ہم نے ان کے دلوں کو سہارا دیا) اس لئے کہ ان کا واسطہ اس زمانہ کی سب سے عظیم اور قہرمان سلطنت سے تھا، وہ "سرکاری" مذہب کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کر رہے تھے۔

یہ اصحابِ کہف کا واقعہ ہے، مجھے شرق اردن کے سفر (۱۹۷۳ء) میں اس غار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جہاں وہ محوِ خواب ہیں، اردن کے آثارِ قدیمہ کے ڈائرکٹر محقق فاضل رفیق وقا الدجانی صاحب نے اس کی زیارت کرائی، اور علمی وفنی دلائل سے ثابت کیا کہ یہی اصحابِ کہف کی جگہ ہے[1]، تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کو صدیوں تک نظم کیا جاتا رہا ہے، اور وہ وہاں کی ادبیات کا ایک جزء بنا رہا ہے، میں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "معرکۂ ایمان ومادیت" میں تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس پر نظر ڈالی ہے، تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے اکثر اہل دربار کی اولاد تھے، یعنی یہ سلطنت کے خاندانی نمک خوار تھے، کسی کے باپ کسی کے چچا کسی کے بڑے بھائی، اس وقت رومن امپائر کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھے، اس لئے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک بن گیا کہ بات صرف اتنی نہ تھی کہ چند بے تعلق اور سرپھرے نوجوان کھڑے ہو گئے، انھوں نے بغاوت کا نعرہ لگایا، اور کہدیا کہ ہم سرکاری مذہب کو نہیں مانتے، ہم نے ایک نیا دین قبول کیا ہے، یہ وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ پورے پورے خاندان اور ان خاندانوں کی قسمت اور عزت وابستہ تھی، ان کے اس اقدام سے ان کے والدین، ان کے خاندان کے بزرگ اور ذمہ دار نازک پوزیشن میں مبتلا ہو گئے، ان سے براہ راست سوال کیا جا سکتا تھا کہ تم نے

---

[1] ملاحظہ ہو ان کی کتاب "اکتشاف الکھف واصحاب الکھف" میں نے اپنی کتاب "معرکۂ ایمان ومادیت" میں اس کی وہ جگہ متعین کی تھی، جو اس وقت تک کے مطالعہ وتحقیق کا نتیجہ تھی، بعد میں میری رائے بدل گئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے فرزندوں اور خوردوں کو اس باغیانہ اقدام سے کیوں نہیں روکا؟ دوسری طرف خود ان بزرگان خاندان کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی کہ وہ ان نوجوانوں کے متکفل تھے، وہ ان سے بڑی امیدیں رکھتے تھے، اور ان کو ان کا مستقبل شاندار نظر آتا تھا، ایک جگہ قرآن مجید نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو خاندان کے بزرگوں اور ذمہ داروں کو نوجوانوں کے اس طرح کے اقدام سے پیش آتی ہے، بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں توحید اور دین حق کی دعوت پیش کی، تو قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑے درد اور دل کی چوٹ کے ساتھ کہا کہ صالح! تم سے تو آئندہ کے لئے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں، خیال تھا کہ تم سیدھے سیدھے اس لائن پر چل کر (جس پر قوم چل رہی ہے) اور اس میں کچھ امتیاز پیدا کر کے اپنے خاندان کا نام روشن کروگے، اور اپنی قوم کے لئے عزت و افتخار کا باعث بنوگے "قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ" (صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے) تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، تم یہ نئی دعوت لے کر کھڑے ہو گئے، اور پوری قوم کو مخالف بنا لیا "مرجو" کا تقریباً وہی مفہوم ہے، جو انگریزی میں لفظ (PROMISING) کا ہے، جو کسی ایسے ہونہار طالب علم، یا نوجوان کے لئے بولا جاتا ہے، جس کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

یہ نوجوان گنتی میں بہت تھوڑے تھے، اور بعض قرائن و قیاسات کی بناء پر سات سے زیادہ ان کی تعداد نہیں تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ کئی سو آدمیوں کی قسمت وابستہ تھی، ہر ایک کے ساتھ پورا پورا خاندان اور برادری کا سلسلہ تھا، اور وہ سب ان کے اس اقدام کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے، اور شک کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے تھے، وہ کتنے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز تھے، اور کتنے گھروں کی ترقیاں و خوش حالیاں ان سے

www.abulhasanalinadwi.org

وابستہ تھیں؟ اس کی طرف لوگوں کی کم نظر جاتی ہے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ سات آٹھ کا معاملہ کیا؟ پکڑے گئے تو پکڑے گئے، اور مارے گئے تو مارے گئے! اگر زندگی کی آسائشوں سے محروم ہوئے تو سات ہی آدمی تو محروم ہوئے، یہ نہیں سوچتے کہ معاملہ کبھی ایک اکیلے آدمی کا نہیں ہوتا، متمدن زندگی میں فرد واحد (اکائی) کا تصور مشکل ہے، شعراء تو اس کا تصور کر سکتے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں اکثر فرد واحد کا وجود نہیں ہوتا، اس کے تعلقات و روابط کتنے لوگوں سے ہوتے ہیں، اس لئے فرد واحد، فرد واحد نہیں ہوتا، اگر یہ سات بغاوت کرتے ہیں تو سمجھئے کہ ستر خاندان زد میں آجاتے ہیں، اس لئے مسئلہ بہت اہم تھا، اور اسی لئے قرآن مجید نے اس کو بطور مثال پیش کیا ہے، اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل نہیں مل سکتی کہ کس کس طرح سے ان کو ڈرایا دھمکایا گیا، اور کس کس طرح کی ان کو لالچیں دی گئیں، اور سبز باغ دکھائے گئے، ایسے اقدامات سے روکنے کے لئے (خاص طور پر جبکہ مقابلہ میں نوخیز اور نوجوان ہوں) ترہیبات (ڈرانے والی چیزوں) کے ساتھ ترغیبات (راغب کرنے والی چیزیں) بھی ہوتی ہیں، اور اکثر ترہیبات کے مقابلہ میں ترغیبات زیادہ مؤثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہیں، ایک بزرگ نے جن کا دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا، فرمایا کہ توڑے، کوڑوں سے زیادہ نازک ہوتے ہیں، طاقتیں اور حکومتیں کبھی کوڑے سامنے لاتی ہیں، اور کبھی توڑے (اشرفیوں کی تھیلیاں) ان نوجوانوں کے سامنے کوڑے بھی آئے ہوں گے اور توڑے بھی، انھوں نے کوڑوں کو بھی سہہ لیا، اور توڑوں کا بھی توڑ کر لیا، اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قوت و سکون، اور صبر و تحمل، اور قربانی و ایثار کی دولت عطا فرمائی "وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ"

ہمیشہ ملک و معاشرہ اس وقت بچا ہے جب کچھ لوگوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، وہ ناسمجھ اور غیر متوازن (ABNORMAL) بھی نہیں تھے، ان کی گفتگو بتاتی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

کہ وہ صحیح الحواس، صحیح الدماغ، دانا اور فرزانہ نوجوان تھے، لیکن بات یہ تھی کہ ان کی روح صرف اس بات سے تسکین نہیں پاسکتی تھی کہ ان کو روٹی کپڑا ملتا ہے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ تو کسی امیر گھر کے کتے کا راتب ہے، اس کو بعض اوقات ایسا اچھا دودھ ملتا ہے، جو بہت سے غریب گھرانوں کے بچوں کو نصیب نہیں ہوتا، اور وہ ایسے ناز و نعم سے رکھے جاتے ہیں، جس کا بہت سے انسان (جو اشرف المخلوقات ہیں) خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہزار ناز پروردہ کتے ایک ایسے فاقہ کش انسان پر قربان جس کو معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت حاصل ہے، اور اللہ نے اس کو اپنے ہم جنس انسانوں کی فکر اور درد نصیب کیا ہے، وہ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی جگہ بنانی نہیں ہے، اور جانوروں کی طرح کھا پی کر دنیا سے رخصت نہیں ہو جانا ہے، ہمیں اپنے کو بھی اس خطرے اور ہلاکت سے بچانا ہے، جو غلط عقائد، غلط مقاصد، غلط اعمال، اور خراب اخلاق کی صورت میں ہمیں پیش آنے والا ہے، اور اپنی قوم، ملک اور معاشرہ کو بھی ان مصیبتوں اور خطروں سے بچانا ہے، جو ان کے سر پر منڈلا رہے ہیں، انسانی تاریخ اس کی شہادتیں فراہم کرتی ہے کہ ایسے باہمت افراد کامیاب ہو جاتے ہیں، اور پوری پوری قوم اور ملک کو اپنی آسائش اور ملک کی قربانی دے کر بچا لے جاتے ہیں، انسانیت کی آبرو انھیں کے دم سے ہے، اور امن و امان، صلاح و فلاح، حق و صداقت اور دعوتِ حق کا تسلسل انھیں سے قائم ہے۔

عزیزان گرامی! اس وقت ہمارا ملک دینی و ایمانی، انسانی و اخلاقی بحران (CRISIS) سے دوچار ہے، دینی و ایمانی خطرے کو میں اس وقت بیان نہیں کروں گا، اس کے لئے مستقل وقت اور موقعہ چاہیئے، اخلاقی بحران کی طرف اشارہ کرتا ہوں (اس لئے کہ کالج میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے نوجوان زیر تعلیم ہوتے ہیں) ہمارا ملک اخلاقی طور پر اس وقت احتضار کی کیفیت "سکرات" سے دوچار ہے، وہ کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

پورے ملک میں کرپشن وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے کارکردگی، فرض شناسی، محنت کوشی، جفاکشی، اپنے ملک سے سچی محبت، اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہمدردی عنقا ہے، انتظامیہ میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس لئے بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی جیب بھرے، وہ قابلِ رشک انسان ہے، جو جیب کے بجائے کاغذ کا پیٹ بھرنے (اپنا وقت پورا کرنے) کی فکر میں ہے، اگر کوئی سامنے آتا ہے تو غور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کتنی بڑی رشوت لی جاسکتی ہے، غور سے اس لئے نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے چہرہ پر کیا اتار چڑھاؤ ہے، وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے؟ بلکہ اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کیا بتاتا ہے کہ وہ کس (STANDARD OF LIVING) سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مدت کے بعد اپنے وطن آنے والے مسافر کو بجائے وطن پہونچنے کی خوشی کے سہم چڑھ جاتا ہے کہ معلوم نہیں اس کو کس ذلت اور کس مصیبت سے واسطہ پڑے، اور کس کو کیا رشوت دینی پڑے، کیوں نہیں ہوتا کہ ہندوستانی اپنے ملک کی سرحد پر (خواہ وہ ہوائی یا زمینی) آکر عزت وسکون محسوس کرے اور خوش ہو کہ ہم اپنے گھر آئے، میں آپ کو یہ دعوت نہیں دیتا کہ آپ کالج چھوڑ کر قوم وملک کی خدمت میں لگ جائیں، آپ ٹھوس خدمت جبھی کرسکیں گے، جب آپ اچھی طرح پڑھیں گے، تعلیم میں امتیاز حاصل کریں گے، اور یہاں سے نیک نام ہو کر نکلیں گے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اچھے کارگذار، فرض شناس، محبِ وطن، اور اگر مسلمان ہیں تو اچھے مسلمان بنیں، آپ کے اندر مدد کا جذبہ ہونا چاہئے، آپ کے اندر کام کرنے سے وہ خوشی ہونی چاہئے، جو آرام کرنے سے نہیں ہوتی، اس وقت پورے ملک کا نظام ڈھیلا ہو گیا ہے، اور عام زندگی مشکل ہو گئی ہے کس کس محکمہ، کس کس شعبۂ زندگی کا رونا رویا جائے۔

میں اپنے مسلمان بچوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ کسی کا یہ اخلاقی یا شہری فرض ہو،

www.abulhasanalinadwi.org

تمہارا تو یہ مذہبی فرض ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝" (ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں) کتنی بڑی حقیقت خدا نے بیان کی ہے، یہ صرف دودھ کی دکان، یا پرچون کی دکان کا معاملہ نہیں "تطفیف" (کم تولنا اور ڈنڈی مارنا) کا عمل پوری زندگی میں ہو سکتا ہے، آج ہمارا پورا انتظامی ڈھانچہ اور معاشرہ "مطفف" بن گیا ہے، سب کا مرض "تطفیف" ہے اپنا حق پورا وصول کرنا، یا وصول کرنے کے لئے لڑنا، اور دوسروں کا فرض نہ ادا کرنا، یا ادھورا ادا کرنا، اگر آپ کو ہندوستان میں باعزت زندگی گذارنی، اور اپنا مقام پیدا کرنا یا اپنا مقام محفوظ رکھنا ہے، تو اس کا ذریعہ صحیح دین داری، بلند و بے داغ کردار، اور عملی نمونہ پیش کرنا ہے، اگر آپ اس ملک کی قیادت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس کا راستہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنے دین کی تعلیمات، قرآن کی ہدایت، اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ و سیرت پر چلیں، اور ان جواں مردوں کی تقلید کر کے (جن کا قصہ قرآن کی سورۂ کہف میں بیان کیا گیا ہے) اپنے مستقبل اور ترقی کے امکانات کو خطرہ میں ڈال کر ملک کو (اور اگر اللہ ہمت بلند اور نظر وسیع کرے) تو انسانیت کو خطرے سے بچانے کی کوشش کریں، اکبر نے صحیح کہا ہے ؎

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

www.abulhasanalinadwi.org

# سیرت و کردار کی تبدیلی کی ضرورت

یہ تقریر جامع مسجد اورنگ آباد میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو کی گئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین

حضرات! ابھی قاری صاحب نے جو آیات تلاوت کی ہیں، ان میں ایک آیت یہ تھی۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ——— اور کہو کہ اے پروردگار مجھے ———

وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ ——— اچھی طرح داخل کیجیو اور ———

(سورہ الاسراء۔۸۰) اچھی طرح نکالیو۔

یہاں اورنگ آباد آکر مجھ جیسے تاریخ کے ایک طالب علم پر کچھ پرانی یادوں کا اثر تازہ ہو جاتا ہے، یہ کوئی غیر معمولی اور عجیب بات نہیں ہے، مورخوں کی ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ وہ اپنے تاریخی مطالعہ سے کسی جگہ علٰحدہ ہو نہیں سکتے، تاریخ کے نتائج بدلی بن کر سامنے آجاتے ہیں، وہ کتنا ہی چاہیں کہ وہ اس سے ہٹ جائیں، ہٹتے نہیں ہیں۔

اورنگ آباد کو میں ہندوستان کا غرناطہ کہتا ہوں، جو لوگ تاریخ اسلام سے واقف ہیں، وہ اس تشبیہ کو سمجھیں گے، ان دونوں میں بڑی مماثلت ہے، اس میں عربی اسلامی سلطنت تھی جس نے صدیوں یورپ میں ڈنکا بجایا، اُس کے بار احسان سے وہ کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتا، اس نے یورپ کو بہت کچھ دیا، کاش کہ وہ پورے یورپ کو اسلام کی دولت دیتا، اس سے یہ بڑی کوتاہی ہوئی اس کوتاہی کے جرمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سے ملک ہی لے لیا۔

عربوں نے یورپ کو علم کی روشنی دی، حقیقت پسندی اور استقراء کا طریقہ دیا، جس کو یورپ کی علمی ترقی میں بہت بڑا دخل ہے، اندلس ہی ہے، جو یورپ کو قیاس سے

www.abulhasanalinadwi.org

استقراء پر لایا، قیاس یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے کوئی اصول وکلیہ اپنی ذہانت ومطالعہ سے بنالیں، اور اس کے بعد جزئیات کو اس کے ماتحت کریں، اور استقراء یہ ہے کہ آپ جزئیات پر غور کریں، پھر ان کے عمومی واجتماعی مطالعہ سے آپ ایک کُلّیہ بنائیں، جزئیات اس کی شہادت وگواہی دیتی ہیں کہ یہ کُلّیہ ہونا چاہیئے۔

یورپ نے جو کچھ ترقی کی ہے، اور فلسفہ، مابعد الطبیعیات سے ہٹ کر سائنس، ٹکنالوجی اور تجربہ پر آیا ہے، وہ استقراء کے اصول کو مان لینے کی وجہ سے، اور یہ دین اور عطیہ ہے اندلس اسلامی (اسپین) کا، اس نے طب کا فن دیا، اور یونان کا فلسفہ منتقل کرکے یورپ کو دیا، انھوں نے یونان کے فلسفہ کو سمجھا، اس کو ہضم کیا، اور پھر اس کی شرح کی، پھر اسی کے ترجمے انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہوئے۔

لیکن ان سے کوتاہی یہ ہوئی کہ انھوں نے خالص اسلام کی دعوت یورپ میں نہیں پھیلائی، وہ علوم وفنون کی ترقی، اور ادب وشاعری کی ترقی میں لگ گئے، یہ اس وقت کا موضوع نہیں ہے، اورنگ آباد آکر یہ زخم کہن تازہ ہوجاتے ہیں، وہاں اسلامی عرب سلطنت کا زوال ہوا، اور اس کا آغاز ہوا، اور اس کی آخری فصل (CHAPTER) لکھا گیا، یہاں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا جو بہرحال مسلمانوں کے اقتدار کی ایک نشانی تھی، مورخ وناقد اس پر کتنی ہی تنقید کریں، ہمیں اس کے بہت سے کارناموں کو ماننا پڑے گا۔

لیکن میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت وسلطنت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور خود قرآن پاک میں اس کو ایک بڑی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:۔

www.abulhasanalinadwi.org

| | |
|---|---|
| يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ | بھائیو! تم پر جو احسان کئے ہیں ان کو |
| اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ | یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے |
| وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ | اور تمہیں بادشاہ بنایا، اور تم کو اتنا کچھ |
| الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المائدہ۔۲۰) | عنایت کیا کہ اہلِ عالم میں سے کسی کو |
| | نہیں دیا۔ |

حکومت و سلطنت ایک نعمت ہے، لیکن حکومت و سلطنت کوئی ایسی خارجی اور مصنوعی چیز نہیں ہے، جو کہیں سے لاکر کہیں ٹھونک دی جائے، یا خود بخود پیدا ہو جائے، حکومت و سلطنت تو ایک خاص کردار، احساس ذمہ داری، ہمدردئ خلائق، اور جذبۂ خدمت کا مظہر ہے، یعنی جب کسی جماعت یا ملت کا خاص مزاج و کردار پیدا ہو جاتا ہے، تو اس مزاج و کردار کی وسعت اور گہرائی کے مطابق اس کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ کسی خطۂ زمین پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرے :۔

| | |
|---|---|
| ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ | پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک |
| بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ | میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے |
| (یونس۔۱۴) | کام کرتے ہو۔ |

اصل چیز ہے سیرت و کردار، اور وہ طرز زندگی جو ایک سلطنت ہی نہیں، بلکہ سلطنت سے بڑی چیزیں، یعنی معرفت الٰہی، اللہ کے یہاں کی مقبولیت، نظر کی تاثیر، اور خیر عام اور ہدایت، و رحمت الٰہی کا دروازہ کھولنے کا کام کرتی ہے، سلطنت تو اس کا ایک ہلکا اور ایک پھیکا سا نشان، ہے، ایمانی سیرت وہ چیز ہے، جو آفاق و انفس کی فتوحات عطا کرتی ہے، اور وہ جہاں گیری عطا کرتی ہے، جس کے سامنے سلطنتیں ہیچ ہیں، وہ اصل چیز

www.abulhasanalinadwi.org

جوہر خیر کا منبع و سرچشمہ ہے، وہ ہے سیرت، میں نے کسی موقعہ پر کہا تھا کہ "ارادے اداروں کو پیدا کرتے ہیں، ادارے ارادوں کو پیدا نہیں کرتے" اصل چیز ہے صحیح ارادہ، جب صحیح ارادہ ہو جاتا ہے تو پھر سیکڑوں ادارے وجود میں آتے ہیں، ادارے جیتے ہیں، مرتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں، اور ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ارادۂ انسانی جب صحیح ہو جائے، اور انسان کی نیت صحیح ہو جائے، انسان کی سیرت، شریعت کے سانچہ میں ڈھل جائے، انسان کے اعمال و تصرفات منشائے الٰہی کے تابع ہو جائیں، منشائے الٰہی کے سانچہ میں ڈھل کر نکلیں، اور ذہن کا رخ صحیح ہو جائے کہ ہر بُنِ مُو سے صدا آئے۔

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا" تو ان کے غلاموں کے قدموں کے نیچے کسریٰ و قیصر کے تاج آتے ہیں ؎

در شبستان حرا خلوت گزید　　قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم　　تا بتخت خسروی خوابید قوم

اقبال کہتے ہیں کہ آپؐ کی امت تخت خسروی پر آکر سو گئی، یعنی اس نے تخت خسروی کو ایک معمولی چارپائی اور ایک سریر سمجھا، اس کو خاطر میں نہیں لائی، جہاں بیٹھنا چاہئے تھا، جاہ و جلال کا اظہار کرنے کے لئے، وہاں وہ سو گئی۔

تو اصل چیز کیا ہے؟ خدا کو جب منظور ہوگا، اور خدا کی حکمت کا تقاضہ ہوگا تو سلطنت وجود میں آئے گی، اور جب خدا کی حکمت کو کچھ اور تقاضہ ہوگا، تو اس سے بھی بڑی چیزیں وجود میں آئیں گی، یہ درویشان بے نوا، یہ فقیران کج کلاہ، آپ کی سرزمین میں آرام فرما ہیں، انھوں نے بادشاہوں پر حکمرانی کی ہے، حضرت خواجہ برہان الدین غریب

www.abulhasanalinadwi.org

..... کے واقعات پڑھئے، حضرت خواجہ زین الدین کے واقعات پڑھئے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شیخ زین الدین کو بادشاہِ وقت نے طلب کیا، جو اس وقت کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، کسی بات پر اس کو ناگواری ہوئی، تو انھوں نے خواجہ برہان الدین غریب کی قبر پر آکر اپنی لاٹھی گاڑ دی اور کہا، اب جس میں دم اور ہمت ہو وہ یہاں سے اٹھا کر دیکھئے، تو اس کے سامنے بادشاہ ہی جھکا، وہ اس کے سامنے نہیں جھکے، ایسی نظیروں سے پوری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

اصل چیز کیا ہے، وہ ہے سیرت کا پیدا کرنا، جس کا عنوان ہے "أدخلنی" میں داخل ہوں تو تیرے حکم کے مطابق، نکلوں تو تیری تعلیم اور منشاء کے مطابق، جس کو "مدخل صدق" اور "مخرج صدق" کہا گیا: "وَاجْعَلْ لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا" (الاسراء۔۸۰، اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنائیو) کہا گیا، آپ کے سوا مدد کرنے والی کوئی ذات نہیں ہے، میرے لئے آپ اپنی طرف سے طاقت پیدا کر دیجئے، اصل مسلمانوں کی طاقت اس میں مضمر ہے، کس کی سلطنت رہی ہے؟ اگر کسی کی سلطنت رہتی تو خلافت راشدہ رہتی، اور اس کے بعد کوئی شہنشاہی رہتی تو سلطنت عباسیہ ـــــ جو پورے متمدن افریقہ اور ایشیا کے عظیم ترین ممالک پر حکومت کرتی تھی، یہ مغلوں کی سلطنت خود کتنی بڑی سلطنت تھی، یہ چیز یعنی نعمت اللہ تعالیٰ کسی کو دے تو فائدہ اٹھانا چاہئے، میں اس کی تحقیر نہیں کرتا لیکن یہ مسلمان کے لئے موت و زندگی کا سوال نہیں ـــــ یہ نہیں کہ سلطنت ختم ہو جائے تو یہ امت مر گئی، اور جب سلطنت آئے تو یہ امت زندہ ہو گئی، امت سلطنت سے بالاتر ہے، سلطنت امت سے بالاتر نہیں، سلطنت امت کے لئے ہے، امت سلطنت

www.abulhasanalinadwi.org

کے لئے نہیں، سیرت سلطنت بھی پیدا کرتی ہے، اور سلطنت سے بھی عظیم تر چیز پیدا کرتی ہے، اور وہ سیرت خود خدا کو پسند ہے، جس کے انعام میں وہ ساری دنیا بھی عطا کر دے، اور ہفت اقلیم کی سلطنت بھی عطا فرما دے، ..... اور عطا بھی فرمائی ہے، کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو، اور کبھی اپنے کسی اور محبوب بندے کو۔

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" میرا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، مرنا جینا، سب تیرے لئے ہو، اور الفاظ قرآنی میں وہ کہا جا سکے جس کی نبی کو تعلیم دی گئی ہے :۔

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ | (یہ بھی) کہدو کہ میری نماز اور میری |
| وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ | عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا |
| لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ | سب خدائے رب العالمین ہی کے |
| وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ | لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور |
| (الانعام-۱۶۲) | مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے، اور |
| | میں سب سے اوّل فرماں بردار ہوں۔ |

مسلمان کی زندگی شریعت کے سانچہ میں، قرآن و حدیث کے سانچہ میں، سیرت نبویؐ کے سانچہ میں ڈھل کر نکلے، نہ اپنی خواہش سے جانا، نہ اپنی خواہش سے آنا، نہ اپنی خواہش سے اٹھنا، نہ اپنی خواہش سے بیٹھنا، نہ اپنی خواہش سے حکم چلانا، نہ اپنی خواہش سے حکم ماننا، اور نہ اپنی خواہش سے کسی کو زیر کرنا، نہ اپنی خواہش سے کسی کے سامنے زیر ہونا، یہ ہے "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ"

www.abulhasanalinadwi.org

ہر کام کے لئے شریعت کی دلیل چاہیئے، خدا تعالےٰ کیا چاہتا ہے، اس وقت کا فرمان کیا ہے، اس وقت کا حکم کیا ہے؟ اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم جھک جائیں، اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم رُک جائیں، حالی نے صحابۂ کرام کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے ؎

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی — شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ — جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

حضرات! مجھے ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے، پرانی یادیں ستائیں، اور میرے دل میں چٹکی لیں، یہ الگ بات ہے لیکن قرآن ازلی و ابدی کتاب ہے، اور وہ خدا کا فیصلۂ ناطق ہے، اصل چیز ہے، اسلام کی سیرت بنانا، یعنی نفس کی خواہش، اپنے ذاتی مفادات، اور وقتی تقاضوں کو شریعت کے سامنے جھکا دینا، اور اس کے تابع بنا دینا، یہ جھوٹی عزت، یہ ناموری، یہ شہرت، ہم چشموں میں عزت کوئی چیز نہیں ہے، اصل چیز ہے، امر الٰہی ہے، اور امر الٰہی کیا ہے؟ اس کو تلاش کرنا کہ اللہ تعالےٰ ہماری کیسی زندگی چاہتا ہے، اس وقت اسلام کی مصلحت کا تقاضہ کیا ہے؟ معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ ہمیں کیا ملے گا؟ ساری جدوجہد، سیاسی جدوجہد سے لے کر معاشی جدوجہد تک اسی مرکز کے گرد گھومے، وہ کیا؟ کہ ہمیں اس سے کیا ملے گا؟

آج تمام دنیا میں مسلمان ہیں، کون سا ملک ہے، جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لئے ہیں، بس یہی مسئلہ ہے، دعوت پھیلانے کے لئے نہیں، ایسا نہیں ہے کہ انسانیت پر رحم کھا کر، انگلستان، کنیڈا، امریکہ خود عرب ملکوں کی موجودہ خطرناک حالت دیکھ کر وہ بے چین ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہوں، یہ

www.abulhasanalinadwi.org

"اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" نہیں ہے اور وہاں جو گئے تو یہ "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ" نہیں ہے، معاشی مصلحت کے مفاد نے ان کو نکالا، معاشی مفاد نے ان کو وہاں داخل کیا، معاشی و ذاتی و خاندانی مفاد نے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ کے بجائے نیویارک چلے جائیں تو وہ چلے جائیں گے، آپ جب چاہیں امتحان لے کر دیکھ لیجئے، اور جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے، اس لئے نہیں کہ وہاں حرم ہے، بلکہ اس لئے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے یہ نہ "مدخل صدق" پر عمل کر رہے ہیں، اور نہ "مخرج صدق" پر چل رہے ہیں، یہ اللہ کا حکم ہے، اپنے نبی کو تعلیم دی جا رہی ہے، اور آپ کے ذریعہ آپ کے طفیل میں امت کو تعلیم دی جا رہی ہے، ہم دعا کریں "رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ"، ہمارا جینا مرنا، ہمارا کسی سے خوش ہونا، کسی سے ناراض ہونا، ہمارا ٹوٹنا اور جڑنا، ہمارا بگڑنا اور بننا، یہ سب خدا کے حکم اور امر الٰہی کے تابع ہو، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا عطا کرتا ہے؟ شکوہ اس سیرت کے بدل جانے کا ہے، اس ذہن کے بدل جانے کا ہے کہ شریعت ہماری امام نہ رہی، شریعت ہمارا فیصلہ کرنے والی طاقت نہ رہی جو ہمارے مسائل میں ایک حکم کی حیثیت رکھے، ہم نے شریعت کو حاکم نہیں بنایا، ہم نے اپنی خواہشات کو، اپنے مفادات کو حکم بنایا، بس اس وقت اصل انقلاب جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، وہ ہے سیرت کا اختیار کرنا کہ ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق بن جائے، وہ ہم سے جو کرائے وہ ہم کریں، وہ جو چھڑائے وہ ہم چھوڑیں۔

آج امتحان لے لیجئے، ہم سب مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ کا شکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار انعام ہے، نبیوں کی دولت ہمارے پاس ہے، ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

میں ہرگز اس کا انکار نہیں کرتا، اور نہ اس کی اہمیت کم کرتا ہوں لیکن اس کے بعد ہماری سیرت کیا ہے؟ جس میں فائدہ دیکھا اس کو کیا، سیاسی جد وجہد کو لے لیجئے کہ ہمارے سامنے اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں کی ممبریاں ہیں، اس کے بعد کی کمیٹیاں ہیں، اس کے بعد کمیشن ہیں، اور اس کے بعد کے فوائد ہیں، عزتیں ہیں، سرخ روئی ہیں، اور دوسرے میدانوں میں دیکھ لیجئے، شادی بیاہ ہے بس اس میں جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو کہ صحیح، اس کا مقصد یہ ہے کہ برادری میں تعریف ہو، نام روشن ہو، دھوم مچے کہ فلاں کی شادی اس طرح سے ہوئی، فلاں کام اس دھوم دھڑکے سے ہوا، یہ تو "اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" نہیں ہے، مسلمان کو پہلے یہ پوچھنا چاہیئے کہ شریعت کا حکم کیا ہے، یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے تو یہی کیا کہ شراب جیسی چیز۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم سب کو محفوظ رکھا ہے ــــ کسی نے کہا ہے۔ ع

چھٹتی نہیں ہے ظالم منہ سے لگی ہوئی

امریکہ میں پریسیڈنٹ ہوور (HOOVER) کے زمانہ میں اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی کہ امریکہ سے شراب چھوٹ جائے، دیکھ لیجئے اس کی تمام تر تفصیلات کہ اس کے لئے کیا کیا ذرائع استعمال کئے گئے، اس کے لئے جان تک کی بازی لگا دی، پروپگنڈہ کیا، ترغیبات دیں، اس کے نقصانات بیان کئے گئے، تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ بجائے کم ہونے کے مزید لت پڑ گئی، اور ضد ہو گئی کہ شراب نہیں چھوٹ سکتی، آخر میں صدر اور حکومت کو ہار ماننی پڑی، انھوں نے ہار نہیں مانی، اس کے مقابلہ میں مدینہ میں بوریہ پر بیٹھ کر اللہ کا بندہ، اور اللہ کا رسولؐ کہتا ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ اے ایمان والو! شراب اور جوا اور

www.abulhasanalinadwi.org

وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ بُت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام
عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ اعمالِ شیطان سے ہیں، سوان سے
تُفْلِحُوْنَ ○ (المائدہ - ۹۰) بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

یہ کہنا تھا کہ ادھر سے آواز آئی "انتہینا انتہینا" لوگوں کا بیان ہے کہ ہونٹوں پر جتنی شراب گئی، اس سے آگے بڑھنے نہ پائی، ایک قطرہ بھی نہیں گیا، اسی وقت انڈیل دی، جو جہاں بیٹھا تھا اس نے وہیں انڈیل دی، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے پانی بہتا ہے، اب اس کے بعد دیکھئے کہ شراب پینے کے کتنے واقعات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے، جب کہ تمدن بھی آگیا تھا، اور روم وایران اور شام کی دولت کے خزانے امنڈ آئے تھے۔

اس وقت جس چیز کی کمی ہے، اور جو چیز فیصلہ کن اور انقلاب انگیز ہے وہ ہے اسلامی سیرت کا اختیار کرنا، اور اگر ایسا اجتماعی طور پر ہو تو کیا کہنے ہیں، اجتماعی طور پر بھی الحمدللہ کوششیں ہو رہی ہیں، انفرادی طور پر کوشش کر کے دیکھئے، اور آپ سب لوگ الحمدللہ یہاں پر موجود ہیں، ہم میں سے ہر ایک شخص یہ طے کرے کہ شریعت کو مقدم رکھنا ہے، حکم الٰہی اور حکم شرعی پوچھنا ہے، کوئی بھی کام ہو، سیاسی انتخاب والیکشن سے لے کر شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ، مکان کی تعمیر، جائیداد کی تقسیم، اور کھانے پینے تک یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کی اجازت ہے کہ نہیں، اور شریعت کا حکم کیا ہے؟ اگر یہ بات پیدا ہو جائے، تو تمام کوششیں حاصل، آپ کا یہاں آنا حاصل، اور میرا یہاں آنا اور کچھ کہنا حاصل، ورنہ۔ ع

نشستند و گفتند و برخاستند

www.abulhasanalinadwi.org

یہ برسوں سے ہو رہا ہے، نہ ہمیں کہنے سے فرصت ملتی ہے، اور نہ آپ کے سننے کی عادت جاتی ہے، اس کا کچھ حاصل ہونا چاہئے، جو نمازی نہیں ہے، وہ اب اس نماز سے جو ظہر کے وقت آنے والی ہے، مرتے مرتے مرجائے عہد کرے کہ نماز نہیں چھوڑیں گے، اگر خدانخواستہ آپ کسی ناجائز چیز کے عادی ہیں تو یہیں توبہ کیجئے کہ اب اسے ہاتھ نہیں لگانا ہے، مسلمان سیاسی طور پر اتنے پیچھے ہیں، ہر جگہ اسی بات کا رونا سنتے سنتے کان پک گئے، جان لبوں پر آگئی ـــــ بس ہو چکا ـــــ کم سے کم اپنے شعور کے وقت سے سن رہا ہوں، کوئی مجلس کوئی جلسہ اس سے خالی نہیں، سیاسی رونا، اقتصادی رونا، لیکن کوئی عزم نہیں، کوئی فیصلہ نہیں، ضرورت ہے ہم اپنی سیرت بدلیں، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، اور جب اللہ اپنے محبوب رسولؐ سے یہ کہے، اور اس کو یہ تلقین کرے، اور یہ وظیفہ بتائے کہ تم یہ دعا کرو کہ "رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ" تو ہم کس شمار قطار میں ہیں۔

قانون تو معمولی آدمی نہیں بدلتا، اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، اور قانون یہ ہے کہ پہلے تم بدلو "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِکُمْ" (البقرہ ـ ۴۰، اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے، اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔)

اے بنی اسرائیل (جو اس وقت کی معزز و مکرم قوم تھی) اللہ کے احسان کو یاد کرو، جو تم پر کیا، اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا، ترتیب یہ ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ میاں اپنا عہد پورا کر دیں، باقی پھر دیکھا جائیگا، اور اللہ میاں علیم و خبیر ہے، دل کے حالات جاننے والا ہے، پہلے سے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے

www.abulhasanalinadwi.org

سارا شکوہ خدا سے ہے، ارے صاحب یہ امت مرحومہ، یہ اشرف الامم کس طرح ذلیل کیسی خوار ہے، ہر جگہ پٹ رہی ہے، اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں، آپ اپنی زندگی میں کونسی تبدیلی لائے، اتنے دنوں سے وعظ ہو رہے ہیں، تبلیغی جماعت کام کر رہی ہے، ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ نہ شادی بیاہ کے رسم و رواج میں کوئی فرق ہے، اور نہ مسلمانوں کے اسراف میں کوئی فرق ہے، اسی شہر میں کسی جگہ سے گذر رہا تھا، وہ روشنی دیکھی وہ روشنی دیکھی، خطرہ ہوا کہ شاید یہ گھر کسی مسلمان کا ہو، بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام روشنی یہیں آگئی ہے، کسی بات میں فرق لانے کو تیار نہیں، بیس برس پہلے اور دس برس پہلے جو طرز زندگی تھا، وہی آج ہے، جو نماز کے پابند نہیں، وہ نماز کے پابند نہیں، جو پینے پلانے کا عادی تھا، وہ پینے پلانے کا عادی ہے، جو مال میں حقوق العباد میں، معاملات میں دیانت داری کو ضروری نہیں سمجھتا وہ اب بھی ضروری نہیں سمجھتا، جو ہاتھ لگ جائے وہ اپنا مال۔

یہی ہندوستان کا ملک ہے، اگر آپ میں صداقت آجائے، آپ میں انصاف آجائے، آپ میں خلوص آجائے، آپ میں ہمدردی آجائے، انسانی جان و مال کا پورا احترام اور ملک کو بچانے کی پوری فکر پیدا ہو جائے، تو کوئی زبردستی کی بات نہیں، سنت خداوندی تو بڑی چیز ہے، فطرت انسانی ہے کہ کہا جائے گا، اب آپ ہی انتظام سنبھالئے کہ یہ ملک تباہ ہو رہا ہے، اب گاڑی چلتی نہیں ہے، ہر آدمی آپ ہی کو چاہتا ہے، اپنا کام کرانا چاہتا ہے، اپنا وقت بچانا چاہتا ہے، نقصان سے بچنا چاہتا ہے، انسانی فطرت ہے، اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کام آپ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے، تو پھر کہاں کا قومی تعصب، اور کہاں کی فرقہ وارانہ عصبیت، سب کہیں گے، لیجئے بس اب آپ ہی ذمہ داری

www.abulhasanalinadwi.org

قبول کیجئے، قوموں کی لیڈرشپ اس طرح ہاتھ میں نہیں آیا کرتی کہ آپ لڑتے بھی رہیں، اور کام کچھ نہ کریں، اور شکوہ شکایت کریں، اور اس کے بعد کہیں کہ اقلیت میں ہونے کے باوجود ہمیں وہ حقوق ملیں، اور ہماری مرضی پوری ہو، اقلیت تو اقلیت، فرد واحد اپنی دیانت سے اپنی خدا ترسی سے اپنی قابلیت سے سب کو جھکا لیتا ہے اور اپنا لوہا منوا لیتا ہے، سیاسی شکوے، سیاسی مظاہرے اور احتجاج بہت ہیں لیکن ہم اپنی سیرت نہیں بدلتے، ہم میں کا ہر آدمی جس جگہ ہے، جس محکمہ میں ہے، جس محاذ پر ہے، وہ ثابت کردے کہ آپ ایک سچے، راست باز انسان ہیں، آپ ایک محنت شعار انسان ہیں، حق و انصاف کے معاملہ میں آپ ہندو مسلم کی بھی کوئی تفریق نہیں کرتے، آپ کے لئے حرام ہے کہ آپ کسی ناجائز پیسے کو نظر اٹھا کر بھی دیکھیں، یہ آپ کچھ دن کر کے دیکھئے پھر ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا ہے، اور آپ کس مقام پر نظر آتے ہیں۔؟

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

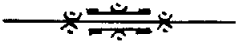

www.abulhasanalinadwi.org